© rasailojaraid.com

اسلام کی نظر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت

سائنس اور اسلام — تیسری قسط:

مولانا محمد شہابُ الدین ندوی

خلافتِ ارض کے لئے علمِ کیمیا اور طبعیات کی اہمیت اور اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ نوع انسان پر اپنے احسانات ونوازشات کا تذکرہ کیا ہے۔اور فرمایا ہے کہ دُنیا کی ساری نعمتیں انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں:

" هو الذى خلق لكم ما فى الارض جميعاً " ۔

وہی ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا کیں۔(بقرہ:۲۹)۔

" هو الذى جعل لكم الارض ذلو لاً فامشوا فى منا كبها و كلوا من رزقهِ " ۔

وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے رام کردیا کہ تم اس کے کندھوں پر چلو پھرو اور اللہ کا رزق کھاؤ ۔(ملک :۱۵)۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اُس نے تمہاری فطرت کے تقاضے کے مطابق دُنیا بھر کی ساری چیزیں تمہارے لئے مسخر کردی ہیں اور تمام مظاہرِ فطرت کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔اور اس اعتبار سے اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی چاہو تو نہ کرسکو گے:

" الم تروا ان الله سخر لكم ما فى السمٰوٰت وما فى الارض واسبغ عليكم نعمه ظاهرةً وباطنةً " ۔

کیا تم اس حقیقت سے واقف نہیں ہو کہ اللہ نے زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا اور تم پر اپنی ظاہری وباطنی نعمتیں پوری کردیں؟ ۔ (لقمان:۲۰)۔

" واٰتكم من كل ما سالتموه وان تعدوا نعمت الله لا تحصوها " ۔

اور اُس نے تم کو وہ سب کچھ دے دیا جس کو (تمہاری فطرت نے) مانگا۔اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی چاہو تو نہ کرسکو گے۔ (ابراہیم:۳۴)۔

اس موقع پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کا جو تذکرہ کیا گیا ہے اُس کا مفہوم یہ ہے کہ ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نعمتیں جن سے ہر دور کا انسان واقف رہا ہے۔اور باطنی نعمتوں سے مراد وہ نعمتیں ہوسکتی ہیں جو خاص کر موجودہ سائنسی علوم کی ترقی کے باعث مادہ اور توانائی کے رازہائے سربستہ کے منکشف ہونے کے باعث وجود میں آسکی ہیں۔اس موضوع پر راقم سطور نے ایک دوسری جگہ تفصیلی بحث کی ہے۔ غرض اس اعتبار سے باطنی نعمتوں کی فہرست میں برق وبھاپ ایٹمی توانائی اور وہ تمام اسرار آجاتے ہیں، جن پر قابو پا کر آج انسان بر و بحر کی تسخیر کررہا ہے۔اسی طرح مختلف قسم کی مشینیں مثلاً موٹر، ریل، ہوائی جہاز، ٹیلی فون، ٹیلی پرنٹر، کمپیوٹر اور کیمیاوی مصنوعات، فنِ طب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وزراعت میں کام آنے والے آلات، مشینیں، پلاسٹک کی مصنوعات، ربڑ کی مصنوعات، فولاد کی مصنوعات اور الیکٹرانکس اشیاء وغیرہ وغیرہ لاکھوں قسم کی چیزیں جن کا شمار بھی مشکل ہے، سب کی سب اس فہرست میں آسکتی ہیں۔ اسی طرح فوجی وعسکری نوعیت کے آلات وہتھیار بھی اس فہرست میں شامل ہوسکتے ہیں۔ اور ان اشیاء کی تیاری میں اس وقت دنیا بھر میں ہزاروں قسم کی صنعتیں اور کارخانے کام کررہے ہیں۔ اور پھر ان اشیاء کی تیاری اور ترقی میں اقوام عالم کے درمیان سخت مقابلہ چل رہا ہے۔ کیونکہ آج کسی قوم اور ملک کے ترقی یافتہ ہونے کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ کتنی صنعتوں کا مالک ہے اور اس معیار دیگر اقوام کی مصنوعات کے مقابلے میں کیا ہے!

اس اعتبار سے جو قوم یا جو ملک اس میدان میں زیادہ آگے ہو وہ نہ صرف ''ترقی یافتہ'' سمجھا جاتا ہے بلکہ وہ دیگر ممالک پر اپنی سیادت بھی قائم کرتا ہے۔ گویا کہ آج قومیں اپنی صنعت وحرفت کی بناپر ''بڑی'' سمجھی جاتی ہیں، اگر چہ وہ افرادی اعتبار سے ''چھوٹی'' ہی کیوں نہ ہوں۔ اور آج صنعت وحرفت میں ترقی کا راز سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کرنے کا نتیجہ ہے، جس کو قرآن کی زبان میں ''علمِ تسخیر'' کہا جاتا ہے۔

سائنسی علوم میں بنیادی اہمیت کے علوم صرف دو ہیں، جن پر ٹیکنالوجی یا ''تسخیر'' کا دارومدار ہے۔ اور وہ ہیں علمِ کیمیا "CHEMISTRY" اور طبیعیات "PHYSICS" یہ دو علوم دنیا کے تمام ''خزانوں'' یا ''خدائی نعمتوں'' کے حصول کے لئے ''چابیوں'' کی حیثیت رکھتی ہیں، جن پر ''خلافتِ ارض'' کا دارومدار ہے۔ لہٰذا جو قوم ان علوم میں فائق ہو وہی اس دنیا کی صحیح معنی میں جانشین بن سکتی ہے اور دیگر قومیں اُس کی حاشیہ بردار ہوسکتی ہیں، چاہے وہ عددی اعتبار سے کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ عصرِ جدید کے جائزہ سے اس کی بخوبی تصدیق وتائید ہوجاتی ہے۔

نیز اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ خدائی نعمتوں کے اس باب میں فرمانبرداروں اور نافرمانوں کی کوئی تخصیص ہے۔ بلکہ قانونِ فطرت کے مطابق جو قوم اس میدان میں آگے بڑھتی ہے وہی دنیوی نعمتوں کی حقدار بن جاتی ہے۔ اور جو قوم ان خدائی نعمتوں کے حصول اور جدوجہد کی راہ میں پیچھے رہ جائے وہ قانونِ فطرت کے مطابق ''پس ماندہ'' قرار دے کر اسٹیج سے اُتار دی جاتی ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ مُسلم قومیں جب تک سائنسی علوم کو سینے سے لگائے تسخیر موجودات میں منہمک رہیں، ان کا وزن دیگر قوموں پر برابر قائم رہا۔ جس طرح کہ آج یورپ اور امریکہ کی دھاک دیگر اقوام پر بیٹھی ہوئی ہے۔ مگر جیسے ہی اُنہوں نے اس وظیفے کو ترک کردیا وہ مغلوب ومقہور ہوگئیں۔ حتیٰ کہ پوری پانچ صدیاں گزر جانے کے باوجود اُن کی مغلوبیت کا یہی حال ہے۔ جب کہ آج عددی اعتبار سے تقریباً پچاس آزاد ممالک مسلمانوں کے قبضے میں ہیں۔ اور یہ ذلت ومسکنت اُس وقت تک باقی رہے گی جب تک کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوابِ غفلت سے بیدار ہوکر پھر سے اپنا ''وظیفۂ حیات'' جاری نہ کردیں۔ اور پھر سے ''میراثِ آدم'' پر قابض نہ ہوجائیں۔

اگر مسلم قوم میں قرونِ وسطیٰ کی طرح موجودہ دور میں بھی ان علوم وفنون میں امام ہوتیں اور جدید تحقیقات میں ان کا بھی حصہ ہوتا تو ان علوم وفنون کی غلط اور مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے تشریح وتوجیہہ کے باعث جو عالمگیر فکری بے راہ روی آج پائی جارہی ہے وہ ہرگز رُونما نہ ہوتی۔ مگر مادہ پرستانہ نقطۂ نظر کے باعث تمدنِ جدید میں جو غلط اور مضر رجحانات، خدا بیزاری اور آخرت فراموشی کی وجہ سے پیدا ہوگئے ہیں ان کا سدِّ باب ہوتا۔ اور عالمِ انسانی جن ہلاکت خیزیوں سے اس وقت دوچار ہے ان سے محفوظ رہتا۔ اس طرح اُمتِ مسلمہ کے اس میدان میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے عالمِ انسانی کو دوہرے اور عظیم نقصانات سے دوچار ہونا پڑا ہے، جن کی تلافی بہت مشکل سے ہوسکے گی۔ لہٰذا اب مسلمانوں کو سنجیدگی کے ساتھ سوچنا چاہئے کہ اُنہوں نے ان علوم سے غفلت کرکے کیا کھویا اور کیا پایا؟

غرض ملتِ اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کے لئے ان علوم وفنون سے واقفیت اور ان میں کمال حاصل کرنا نہ صرف ضروری ہے بلکہ امام غزالیؒ کی تصریح کے مطابق حالات کی نزاکت کے اعتبار سے اس قسم کے علوم کی تحصیل بعض صورتوں میں فرضِ کفایہ بھی ہوسکتی ہے۔ (دیکھئے احیاء العلوم :۱/۱۶) اور میرے نزدیک بعض صورتوں میں فرضِ عین بھی ہوسکتا ہے، جبکہ ملتِ اسلامیہ اجتماعی حیثیت سے نرغے اور جانکنی کے عالم میں ہو۔ ہمارے ایک ہاتھ میں قرآن وحدیث ہوں تو دوسرے ہاتھ میں علوم وفنون بھی ہوں۔

اور ہم کو ان دونوں میں ایک توازن قائم کرکے زندگی، خلافت اور نشأۃ ثانیہ کے میدان میں آگے بڑھنا چاہئے۔ ورنہ ہم موجودہ طوفانی بھنور سے کبھی نہیں نکل سکتے۔ یہ دنیا مادّی اسباب ووسائل کی دنیا ہے جس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے جو قوانین وضوابط بنادئے ہیں وہ ضرور پورے ہوکر رہتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ہمت ہارے بغیر نئے عزم وحوصلے سے ایک راہِ عمل متعین کرکے اسلامی تاریخ کے موجودہ سب سے بڑے معرکے کو سر کرنا اور ایک نئی تاریخ بنانا ہے۔

پھر ہمارا مقصد محض خود کو طاقتور اور خودکفیل بنانا ہی نہیں بلکہ ہمیں موجودہ بگڑے ہوئے انسانی معاشرہ اور اُس کے غلط فلسفوں، اُس کے مضر وہلاکت خیز تہذیبی اقدار، اُس کے غلط تمدنی رجحانات، اس کی غیر صالح صنعتوں اور خصوصاً اُس کے تباہ کن کیمیاوی آلات وہتھیار وغیرہ سب کی اصلاح بحیثیت ''خیرِ اُمت'' کے کرنی ہے، ظاہر ہے کہ یہ ہمارا ایک اہم ملی اور انسانی فریضہ اور ہماری اجتماعی زندگی کا ایک اہم شعبہ ہے۔ جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مگر یہ سارے فوائد اور مفید نتائج اُسی وقت حاصل ہوسکتے ہیں جب کہ ہم مادّی میدان میں بھی دیگر اقوام سے برتر نہیں تو کم از کم ان کے برابر ضروری ہوجائیں۔ ورنہ موجودہ دور میں کوئی کمزور اور مفلس قوم ان فرائضِ منصبی کو صحیح طور پر ادا نہیں کرسکتی۔ اور دنیا کی طاقتور اور احساسِ برتری کے نشے میں چور قومیں ایسی کمزور قوم کو خاطر میں نہیں لاتیں۔ لہٰذا مادّی حیثیت سے اپنے آپ کو طاقتور بنانا گویا کہ درحقیقت اپنے دین وایمان کو طاقتور بنانا ہے۔ اس طرح ہم دینِ برحق اور اُس کے صالح اقدار کو بھی غالب کرسکیں گے جو عنداللہ مطلوب ومقصود ہے۔

لہٰذا مُسلم حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ اس طرف خصوصی توجہ مبذول کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے ملک وملت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھلائی اوراس کے دینی ودنیوی مفاد کی خاطر مثبت اقدامات کریں۔

مگر موجودہ نفسیاتی حالات اور ذہنی کش مکش کی فضا کو بدلنے اور اُمتِ مُسلمہ کو تعمیر عالم کی راہ پر پھر سے گامزن کرنے کے لئے سب سے پہلے ہمارے ذہنی جُمود کو...... جو ہماری ساری پس ماندگیوں اور بے چارگیوں کی علامت ہے۔......توڑنا اور موجودہ فکری پیمانوں کو بدلنا ضروری ہے۔ ہمارے ملی مسائل کو حل کرنے کے لئے حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر اور سائنٹفک طرزِ فکر...... جو درحقیقت قرآنِ حکیم ہی کا پیدا کردہ انقلابی اور حقیقت پسندانہ طرزِ فکر ہے...... اپنانا ہوگا۔ ہم اپنے اطراف کی دنیا اور اس میں کارفرما تکوینی (طبیعی) اسباب وعلل سے آنکھیں بند نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ہمیں قرآن اور حدیث میں کہیں بھی ان تکوینی اسباب وعلل سے آنکھیں بند کرلینے کی ہدایت نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ اللہ پر توکل کے ساتھ ساتھ ان اسباب وعلل کا لحاظ رکھنے کی بھی تاکید ملتی ہے۔

ایٹم بم قرآن کی نظر میں نوعِ انسانی کا بلا وجہ قتل ایک سنگین جرم:

مسلمان اگر علوم وفنون کے باب میں آج بھی امام ہوتے تو وہ منشائے خداوندی کے مطابق مظاہرِ کائنات کی ''تسخیر'' کا صرف افادی پہلو مدنظر رکھتے اور اس کے مضرو ہلاکت خیز پہلوؤں سے گریز واجتناب کرتے۔ جب کہ آج حال یہ ہے کہ دنیا کی موجودہ جنگ بازقو میں دنیائے انسانیت پر جوہری اور جراثیمی جنگ مسلط کر کے تمام انسانوں کو موت کی نیند سلادینے کے درپے نظر آرہی ہیں۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ علمِ جدید یعنی علمِ طبیعی ''صالح'' یا خدا پرست ہاتھوں سے نکل کر ''غیر صالح'' ہاتھوں میں پڑ گیا ہے۔ اور اب انہیں قابو میں رکھنے والی کوئی مؤثر قوت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ بلکہ موجودہ جنگ باز قومیں خدا کی مرضی ومنشا سے غافل ہوکر من مانی کرنے لگی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب معاشرے پر مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو اس کا خطرناک نتیجہ وہی نکلا جس کو لامحالہ نکلنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جب کسی برتر ہستی کے سامنے جوابدہی کا تصور ہی ذہن ودماغ سے نکل گیا تو پھر انسان خود کو تمام بندھنوں سے آزاد سمجھنے لگا۔

یہ موجودہ جنگ باز انسانوں کی ایک خطرناک روش ہے جس کی وجہ سے انسان کا پورا مُستقبل بھیانک اور تاریک دکھائی دے رہا ہے۔ یہ دراصل عالمِ انسانی کا ایک بہت بڑا اور زبردست نقصان ہے جو زوالِ ملت اسلامیہ کے بعد پیش آیا ہے۔ اور اب قیادت کے اس خلا کو پُر کرنا بظاہر بہت مشکل نظر آرہا ہے۔ لیکن جہاں تک دینِ ابدی کی فکری ونظریاتی قیادت کا تعلق ہے وہ اس مسئلے میں عالمِ انسانی کی پوری طرح رہنمائی کر کے ایسے خطوط متعین کرتا ہے جن سے معاشرہ کی تعمیر و بہبود ہوتی ہو۔ اور ان تمام غلط رجحانات پر بندشیں عائد کرتا ہے جو معاشرے کی تخریب اور اُس کی بربادی کا باعث ہوسکتے ہوں۔ اور یہ تمام خصوصیات ایک زندہ مذہب اور زندہ کتاب ہی کی ہوسکتی ہیں کہ وہ ہر حال میں عالمِ انسانی کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

بہرحال جن آیات میں مظاہرِ عالم کی تسخیر اور مادّی اشیاء سے مستفید ہونے کا ذکر کیا گیا ہے ان ہی آیات میں بصراحت یہ بھی جتا دیا گیا ہے کہ ظاہری اور باطنی نعمتوں کا استعمال نوعِ انسانی کے فائدے اور بنی آدم کے خیر وفلاح کے طور پر ہونا چاہیئے۔ مثلاً:

'' الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السمٰوٰتِ وما فی الارض واسبغ علیکم نعمه ظاهرةً وباطنةً '' .

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ زمیں اور اجرامِ سماوی میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ نے تمہارے (فائدے کے) لئے مسخر کر دیا ہے۔اور تم پر اپنی ظاہری و باطنی تمام نعمتیں پوری کر دی ہیں ؟ (لقمان:۲۰)۔

" وسخر لکم مافی السمٰوٰتِ وما فی الارض جمیعاً منہ " .

اور اُس نے تمہارے (فائدے) کے لئے ارض وسماوات کی تمام چیزوں کو رام کر دیا ہے۔(یہ سب) اُسی کی جانب سے (بطورِ تحفہ) ہیں۔ (جاثیہ :۱۳)۔

یہ اور اُس قسم کی دیگر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کی تمام اشیاء اور مادی مظاہر کو نوعِ انسانی کے فائدے کی غرض سے پیدا کیا ہے۔لہٰذا ان اشیاء کی تسخیر میں انسانیت کا فائدہ اور تعمیری پہلو ملحوظ رہنا چاہئے۔اور پھر لفظ ''نعمت'' کا مفہوم بھی یہی ہے کہ وہ نوعِ انسانی کے لئے زحمت یا مُصیبت نہ بنے بلکہ وہ خدائے رحمان کا عطیہ ہونے کی حیثیت سے ہر حال میں اُس کی رحمت کا مظہر رہے۔

اس لحاظ سے اسلام کی نظر میں جوہری بموں، نیپام بموں، جراثیمی بموں اور دیگر ایٹمی اسلحہ کا استعمال بہت بُرا فعل اور سنگین جرم ہے، جو نوعِ انسانی کی تباہی و بربادی اور بے گناہ انسانوں کی ہلاکت کا باعث ہے۔اسلامی نقطۂ نظر سے تمام انسان "الخلق عیال اللہ " یعنی اللہ کا کنبہ ہیں، لہٰذا وہ ان کی بلا وجہ اور بغیر کسی گناہ کے تباہی و بربادی کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ اسلام کی نظر میں ہر انسانی جان قیمتی اور قابلِ احترام ہے۔لہٰذا وہ کسی ایک انسان کے بلا وجہ قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے:

" من قتل نفسًا بغیرِ نفسٍ او فسادٍ فی الارضِ فکأنما قتل الناس جمیعًا '' .

جس نے کسی شخص کو بغیر کسی جانی عوض یا فساد کے قتل کر ڈالا تو اُس نے گویا تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ (مائدہ:۳۲)۔

یہ اس مسئلے کا شرعی پہلو ہے۔مگر موجودہ بین الاقوامی سیاسی ماحول میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دنیا کے کئی ممالک ایٹمی ہتھیاروں سے مسلح ہیں اور فوجی لحاظ سے کمتر قوموں اور خصوصاً اسلامی ممالک کو بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر دھمکاتے رہتے ہیں تو کیا مسلم ممالک کو بھی ''طاقت کا توازن'' برقرار رکھنے کی غرض سے ایٹمی ہتھیار تیار کرنا چاہئے؟ تو اس مسئلے میں اگرچہ دینی و شرعی نقطۂ نظر سے اس کی قباحت تو صاف ظاہر ہے۔مگر ایک فقہی اُصول "الضرورات تبیح المحظورات " (ضرورتیں ممنوعات کو جائز کر دیتی ہیں) کے تحت طاقت کا توازن برقرار رکھنے کی غرض سے اس کا جواز نکل سکتا ہے۔

خدائی نعمتوں سے استفادہ سائنس اور ٹکنالوجی سے جُڑا ہوا ہے:

قرآن مجید کی تصریح کے مطابق دنیا کی سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو دُنیا بھر کی تمام چیزوں کے نام اور اُن کے خواص و تاثیرات سے آگاہ کر دیا گیا تھا، جیسا کہ سُورۂ بقرہ کی آیت ۳۱ کی تفسیر میں اکابر مفسرین نے اس کی وضاحت کی ہے۔قرآن کی اصطلاح کے مطابق اس علم کو ''علمِ اسماء'' کہا جا سکتا ہے۔اور یہی وہ علم ہے جو موجودہ دور میں علمِ تکوین یا سائنس کہلاتا ہے۔اور انسان کو اس علم سے سرفراز کئے جانے کا بنیادی مقصد مظاہرِ کائنات سے تعارف حاصل کر کے ان میں ودیعت شدہ فوائد سے مستفید ہونا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلافتِ ارض کے میدان کو سر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مظاہر وموجودات میں انسان کے لئے بے شمار فوائد اور عجیب وغریب نعمتیں ودیعت کردی ہیں جو اُس کی رُبوبیت ورحمانیت کا حیرت انگیز مظہر ہیں۔قرآن حکیم میں صاف صاف فرمادیا گیا ہے:

" الم تروا ان اللہ سخرا لکم مافی السمٰوٰتِ وما فی الارضِ واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃً وباطنۃً " .

کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین اور آسمان کی تمام چیزیں مسخر کردیں اور تم پر اپنی ظاہری وباطنی نعمتیں پوری کردیں۔(لقمان:۲۰)۔

یہاں پر" ظاہری اور باطنی" نعمتیں خاص طور پر قابلِ غور ہیں اور کتب تفسیر میں ان کے مختلف مفہوم ومصداق بیان کئے گئے ہیں۔ مگر علامہ زمخشری نے نسبتاً ایک زیادہ بہتر اور فکر انگیز مفہوم بیان کیا ہے۔ جو یہ ہے:" ظاہری نعمتوں سے مراد ہر وہ نعمت ہے جو مشاہدہ میں آسکے۔اور باطنی سے مراد وہ نعمت ہے جو کسی دلیل سے معلوم ہوسکے یا بالکل ہی معلوم نہ ہوسکے۔اس لحاظ سے انسان کے بدن میں کتنی ہی ایسی (پوشیدہ) نعمتیں ہیں جن کو وہ نہیں جانتا اور اُن کی طرف راہ یاب نہیں ہوتا"۔ (تفسیر کشاف:۳/۲۳۵)۔

ظاہری وباطنی نعمتوں کا یہ محض ایک جزوی پہلو ہے جو اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔مگر کلّی اعتبار سے میرے نزدیک اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نوازشاتِ الٰہیہ ہیں۔ جو دورِ آدم سے لے کر عصرِ حاضر تک برابر معلوم ومتعارف چلی آرہی ہیں۔یعنی وہ لوازمِ حیات جن کے استعمال سے ہر دور کا انسان بخوبی واقف رہا ہے۔اور باطنی نعمتوں کا اطلاق خاص کر مادّہ MATTER اور توانائی ENERGY کے پوشیدہ فوائد اور اسرار پر ہوسکتا ہے جن سے موجودہ دور کا انسان واقف ہوکر انہیں مسخر کررہا ہے۔ مثلاً برق، بھاپ، جوہری توانائی، جوہری آئی سوٹوپ اور بے شمار قسم کے کیمیاوی مرکبات، جو مصنوعی غذاؤں، کھادوں، ادویہ اور دیگر بے شمار مصنوعات کی تیاری سے متعلق ہیں۔ یہ تمام نعمتیں روزِ ازل ہی سے کائناتِ مادّی میں موجود تھیں، جن سے انسان علمِ اسماء (سائنس) اور علمِ تسخیر (ٹیکنالوجی) کی ترقی کی بدولت صحیح فائدہ اب جا کر اُٹھا رہا ہے۔

چنانچہ ایک دوسری جگہ ارشادِ باری ہے:

" اللہ ُالذی خلق ...... " .

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اُوپر سے پانی برسایا۔ پھر اُس پانی سے تمہاری روزی کی خاطر (طرح طرح) کے میوے نکالے۔اور کشتیوں کو تمہارے قابو میں کیا تاکہ وہ سمندر میں اُس کے حکم سے چلتی رہیں، اور دریاؤں کو تمہارے لئے مسخر کیا، اور تمہارے لئے آفتاب وماہتاب کی تسخیر کی۔ (تاکہ تم ان توانائیوں سے مستفید ہوسکو) اور تمہارے لئے رات اور دن کو کام میں لگایا۔ اور اُس نے تمہارے (تمام فطری مطالبات) پورے کردئے۔

(لہٰذا) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی چاہو تو نہ کرسکو گے۔ انسان بڑا ہی ستم گار اور ناشکرا ہے۔ (جو ان نعمتوں سے مستفید ہونے کے باوجود خدا کا انکار کربیٹھتا ہے)۔(ابراہیم:۳۲۔۳۴)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان آیات میں غور کیجئے کہ ان کا منشاو مقصد کیا ہے اور یہ حکم کس کو دیا جار ہا ہے؟ تسخیرِ اشیاء کس چیز کا نام ہے اور باطنی نعمتیں کس طرح ظہور پذیر ہوتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ حکم نوع انسانی کو دیا جار ہا ہے کہ وہ "علمِ اسماء" کے منتر اور "دستِ تسخیر" کی قوت سے "باطنی نعمتوں" کو منظرِ عام پر لائے۔غرض مادّہ اور انرجی کے اُصولوں کو کام میں لانے کے باعث مختلف ایجادات واختراعات کی شکل میں "نعمتوں" کی بارش ہونے لگتی ہے۔جیسے بجلی اور بھاپ سے چلنے والی ہزاروں قسم کی مشینیں،موٹر،ٹرین،ہوائی جہاز،ٹیلی فون،ٹیلی پرنٹر وغیرہ بہت سی تمدنی ضروریات۔اسی طرح فنِ زراعت میں استعمال ہونے والے جدید آلات،مشینیں اور کیمیاوی کھادیں،طب،جدید میں استعمال ہونے والے آلات،مشینیں وراد ویات وغیرہ۔صرف اکیلے پٹرولیم سے اس وقت دنیا میں ہزاروں کیمیاوی صنعتیں چل رہی ہیں۔جیسے موم،الکحل،مصنوعی ربڑ،وارنش،پلاسٹک،خوشبویات،مصنوعی ریشے اور دھماکہ خیز مادے وغیرہ۔

ان علوم اور ان کے فوائد سے قطعِ نظر صرف معاشیاتی نقطۂ نظر سے غور کیجئے کہ یہ صنعتیں کتنی اہم ہیں اور قوموں کی ترقی اور ان کی خوش حالی کا دارومدار ان صنعتوں پر کتنا ہے! اس وقت رُوئے زمین پر یقیناً ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں صنعتیں کام کر رہی ہیں اور اقوامِ عالم کے درمیان اس سلسلے میں سخت مقابلہ چل رہا ہے۔اور جس طرح انسانی تمدن ترقی کر رہا ہے۔اسی طرح فوجی وعسکری میدان میں بھی خوب پیش قدمی ہو رہی ہے اور سخت مقابلہ چل رہا ہے۔اس اعتبار سے آج قوموں کی زندگی صنعتوں سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہے۔اور جو قوم اس وقت "بے صنعت" ہے وہ گویا کہ فقیر اور کنگال ہے،جو دنیا کے اسٹیج پر زیادہ دنوں تک ٹھہر نہیں سکتی۔کیونکہ یہ سر زمین "زور آوروں" کا مسکن و ماویٰ ہے۔یہاں پر جو کمزوری دکھائے گا وہ قانونِ قُدرت کے مطابق پیس کر رکھ دیا جائے گا،جیسا کہ فلسفۂ تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ہر دور کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں،لہٰذا زندہ قوموں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھال لیں ورنہ وہ گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دی جائیں گی یا اُن کو تاریخ کے "عجائب خانوں" کے حوالے کر دیا جا سکتا ہے۔گویا کہ وہ مُردہ قومیں ہیں اور اُن کا مقام دُنیا کے اسٹیج کے بجائے میوزیم ہی زیادہ مناسب ہو سکتا ہے۔

قرآن اور جدید علم وتمدن:

بعض دینی حلقوں میں علمِ جدید اور تمدن جدید کے نام پر لوگ کچھ چیں بہ جبیں ہوتے ہیں کہ ان چیزوں کا اسلام سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اور انہی قرآن کی تفسیر میں داخل کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اور جو لوگ ان چیزوں کی اسلام سے مطابقت ثابت کرتے ہیں انہیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ انہی ایک قسم کا بدعتی سمجھا جاتا ہے۔تو آیئے دیکھیں کہ قرآن مجید اس سلسلے میں کیا کہتا ہے اور وہ علم جدید اور تمدنِ جدید کے بارے میں کیا فتویٰ صادر کرتا ہے!

چنانچہ قرآن مجید میں زمین و آسمانوں کی تخلیق اور زبانوں ورنگوں کا علم رکھنے والوں کو "عالِم" کہا گیا ہے:

" ومن ایٰتہٖ خلق السمٰوٰتِ والارض واختلافُ السنتکم والوانکم ان فی ذلک لاٰیتٍ للعٰلمین " .

اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا۔یقیناً اس میں علم والوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔ (روم:۲۲)۔

اب ظاہر ہے کہ ارض وسماوات کی تخلیق اور انسانی زبانوں اور رنگوں کے اختلاف کے سلسلے میں قیامت تک جو جو نئے حقائق واکتشافات منظرِ عام پر آئیں گے وہ سب ''علم'' ہی کے دائرے میں ہوں گے اور ایسے لوگ بنصِ قرآنی ''علم والے'' کہلائیں گے۔اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس آیتِ کریمہ کی رُو سے ''اللہ کی نشانیوں'' کا علم رکھنے والے ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ کوئی معمولی علم نہیں ہے۔ بلکہ اسی علم کے ذریعہ منکرینِ حق پر اتمامِ حُجت ہوسکتا ہے۔اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ساری معلومات ''علمِ جدید'' ہی کے دائرے میں آئیں گی۔لہٰذا علمِ جدید کی تحقیر کیا معنی رکھتی ہے؟

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر بارش کے پانی، قسم باقسم کے پھل اور ان کی رنگارنگیاں پہاڑوں کا اختلاف اور اُن کے الوان، انسانوں اور جانوروں کی بوقلمونی اور اُن کی رنگ برنگیاں وغیرہ مظاہر اور اُن کی حکمتوں میں غور کرنے والوں کو ''عُلَماء'' کے معزز لقب سے سرفراز کیا گیا ہے:

" الم تر ان اللہ انزل من السماءِ ماءً فاخرجنا بہ ثمراتٍ مختلفًا الوانھا ومن الجبال جدد بیض وحُمُر مختلف الوانھا وغرابیب سود ومن الناس والدواب والانعامِ مختلف الوانہ کذلک انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰؤ ان اللہ عزیز غفور " .

کیا تو نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے بلندی سے پانی اُتارا، پھر ہم نے اُس کے ذریعہ طرح طرح کے اور رنگ برنگے پھل نکالے۔ اور پہاڑ بھی مختلف رنگوں کے سُفید، سُرخ اور بہت سیاہ (ہر طرح کے) ہیں۔اور اسی طرح انسانوں، جانوروں اور چوپاؤں کے رنگ بھی قسم باقسم کے ہیں۔ یقیناً اللہ سے اُس کے بندوں میں علم والے ہی ڈرتے ہیں۔ یقیناً اللہ غالب اور بخشنے والا ہے۔(فاطر: ۲۷۔۲۸)۔

اس اعتبار سے غور وفکر کے باعث ہر دور میں دُنیائے حیوانات، دُنیائے بناتات اور دُنیائے جمادات اور اُن کے نظاموں سے متعلق نئے نئے حقائق ومعارف منظرِ عام پر آتے رہیں گے۔اور یہی وہ ''نئی معلومات'' ہیں جن کو ''علمِ جدید'' کہا جا سکتا ہے۔اور ان نئی معلومات کی بنا پر جو چیزیں عملی استفادہ کی شکل میں سامنے آئیں گی وہ ''تمدنِ جدید'' کہلائیں گی۔ مثلاً علمِ جدید نے یہ انکشاف کیا کہ دو چیزوں کو باہم رگڑنے سے ایک قسم کی حرارت پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس حرارت کو مقید کر کے اس سے عملی استفادہ کرنے کی ترکیبیں سوچی گئیں۔اس طرح برق اور بھاپ سے استفادہ ممکن ہوا، جن سے برقی قمقمے روشن کئے گئے اور مشینیں چلائی گئیں۔نئی نئی معلومات کے تحت یہی عملی استفادہ ''تمدنِ جدید'' کہلاتا ہے۔اور اس اعتبار سے ہر نیا علم یا ہر نیا انکشاف ایک نئے تمدن کو جنم دیتا ہے۔ پھر جیسے جیسے تحقیقات وتجربات کا دائرہ بڑھتا جائے، مختلف آلات واوزار اور نئے نئے کل پُرزوں کا سلسلہ بھی چل پڑے گا۔

اس طرح نئی نئی صنعتیں INDUSTRIES بھی جنم لیتی جائیں گی اور تمدن بھی آہستہ آہستہ ایک منزل سے دوسری منزل کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف رواں دواں نظر آئے گا۔اس لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ تمدنِ جدید اصل میں علمِ جدید ہی کی پیداوار ہے۔

اس اصول کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب چند قرآنی آیات میں مزید غور فرمائیے تو یہ حقیقت پوری طرح بے نقاب ہو جائے گی کہ جس طرح علمِ جدید کا داعی اول قرآن مجید ہے، اسی طرح وہی تمدنِ جدید کا بھی داعی و محرک ہے۔

چنانچہ اُس نے جہاں ایک طرف مظاہرِ کائنات اور اُس کی مشنری میں غور و فکر کر کے وجودِ باری اور اُس کی بے مثال قدرت و ربوبیت کے دلائل اخذ کرنے پر زور دیا ہے تو دوسری طرف مختلف علوم و مسائل میں ڈوب کر مختلف صنعتوں کو وجود میں لانے کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔جیسا کہ وہ صراحت کے ساتھ کہتا ہے:

" هو الذى سخر البحر لتأكلوا منه لحمًا طريًا وتستخرجوا منه حليةً تلبسونها " .

وہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے لئے مسخر کر دیا، تا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور زیور (موتیوں کی شکل میں) نکالو جس کو تم پہنتے ہو۔(نحل:۱۴)

سمندر کو مسخر کرنے کا مطلب اُس میں ودیعت شدہ فوائد سے استفادہ کے لئے اُسے پوری طرح رام کر دینا ہے۔اور یہ مقصد ظاہر ہے کہ بغیر کشتی سازی اور سمندر میں سفر کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

پھر سمندر سے تازہ گوشت یعنی مچھلیاں حاصل کرنا بھی اس پر موقوف ہے کہ کشتیوں کے ساتھ ساتھ مچھلیاں پکڑنے کے لئے جال اور دیگر اوزار بھی بنائے جائیں۔اسی طرح سمندر سے موتی نکالنے کے لئے غوطہ خوری کی تربیت اور اس کے آلات و اوزار کی تیاری ضروری ہے۔اس طرح محض ان دو فوائد کے حصول کے لئے کئی صنعتوں کا آغاز ہوتا ہے اور بہت سی فنی معلومات TECHNICAL KNOW-HOW اور تجربات کی ضرورت پڑتی ہے۔یہی فنی معلومات فنی علوم یعنی صنعتی علوم کی بھی بنیاد ہیں۔

حسبِ ذیل عظیم الشان آیتِ کریمہ میں غور فرمائیے تو آپ کو اس قسم کے بے شمار جدید علوم اور جدید صنعتوں کی طرف رہنمائی ملے گی:

" ان فى خلقِ السمٰوٰتِ والارضِ واختلافِ اليلِ والنهار والفلك التى تجرى فى البحر بما ينفع الناس وما انزل الله من السماء من ماءٍ فا حيا به الارض بعد موتها وبث فيها من كل دابةٍ . وتصريف الريح والسحاب المسخر بين السماءِ والارضِ لايتٍ لقومٍ يعقلون " .

زمین اور آسمانوں کی تخلیق میں، دن رات کے ہیر پھیر میں، اور اُن کشتیوں (اور جہازوں) میں جو سمندر میں لوگوں کے نفع بخش سامان کو لے کر چلتے ہیں، اور اُس پانی میں جس کو اللہ نے بلندی سے اُتارا اور اُس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندگی بخشی۔ پھر اُسی میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دئے، اور ہواؤں کے ادل بدل میں اور بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان مسخر رہتا ہے۔(غرض ان تمام مظاہر میں) عقل مندوں کے لئے یقیناً (بہت سی) نشانیاں موجود ہیں۔(بقرہ:۱۶۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان آیاتِ کریمہ میں اولین مقصد بطور ''عبارۃ النص'' وجود باری اور اُس کی صفاتِ عالیہ کا اثبات، نیز ثبوتِ قیامت کے سلسلے میں سائنٹفک دلائل پیش کرنا اور شرک و مادیت اور دیگر فکری لغزشوں کی تردید ہے۔ اس کو ہم علمِ نظری کہہ سکتے ہیں۔ مگر یہاں پر ضمناً اس علم کے عملی فوائد کا حصول بھی مقصود ہے۔ اور جیسا کہ شیخ طنطاوی جوہری نے لکھا ہے اس موقع پر بہت سے تمدنی فوائد کا اثبات ہو رہا ہے۔

اس موقع پر ''عقل سے کام لینے والوں'' کی سند اُن لوگوں کو عطا کی گئی ہے جو زمین اور اجرامِ سماوی کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں، رات اور دن کے ہیر پھیر اور اُن کے اسرار معلوم کرتے ہیں، سمندری کشتیوں، جہازوں اور سامانِ تجارت کے فوائد پر نظر ڈالتے ہیں۔ بارش کے عجائب، نباتات کے مظاہر، چوپاؤں کی خلقت اور اُن کے اسرار وعجائب معلوم کرتے ہیں۔ ہواؤں کے ضوابط کا علم حاصل کرتے ہیں، اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ آسمان میں بادل کس طرح جمع ہوتا ہے اور بارش کیسے ہوتی ہے؟ اس میں سورج کی کارفرمائی کیا ہے؟ اور وہ بارش پر کیا کیا اثرات ڈالتی ہے؟ غرض ان تمام چیزوں کی حقیقت و ماہیت اور ان کے اسرار وفوائد کے جاننے اور ان میں غور وفکر کرنے والوں کو اس موقع پر ''صاحبِ عقل'' قرار دیا گیا ہے۔

اور اس آیت سے بطور اشارہ واقتضاء ثابت ہوتا ہے کہ فلکیات، بارش، ہوا، بادل، ندی نہریں، معدنیات اور دیگر تمام طبیعی و صنعتی علوم کی تحصیل ضروری ہے۔ غور فرمایئے تو پتہ چلے گا کہ یہاں پر جن کشتیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ لوہے، کوئلے اور بجلی کی محتاج ہیں۔ اسی طرح جہازوں کے لئے سامان کی ضرورت ہوتی ہے، جس کو وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائیں۔ غرض اس آیتِ کریمہ میں تمام علوم کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ (ماخوذ: القرآن والعلوم العصریہ)۔

اس آیتِ کریمہ میں ان کے علاوہ بھی دیگر بہت سے علوم وفنون کا اثبات ہوسکتا ہے۔ مثلاً اجرامِ سماوی کے مشاہدوں کے لئے رصد گاہوں OBSERVATORIES اور اُن کے سازوسامان کی تیاری، جن میں دُوربینیں وغیرہ بھی شامل ہیں۔ جہاز سازی کے کارخانے اور اُن کے سازوسامان کی تیاری، نیز ان صنعتوں میں استعمال ہونے والے خام مال کی فراہمی، کان کنی کا علم اور اس سے متعلق صنعتیں، جن کے ذریعہ لوہا، کوئلہ اور پٹرول وغیرہ کی فراہمی عمل میں آتی ہے۔ جہاز رانی کا علم اور اس کی تربیت، برق و بھاپ کا علم اور ان کی صنعتیں جن کے ذریعہ موجودہ جہاز چلتے ہیں۔ (بلکہ اب تو ایٹمی توانائی سے چلنے والے جہاز بھی تیار ہوگئے ہیں)۔ اسی طرح عالمِ حیوانات و نباتات اور دیگر مظاہرِ فطرت کے تفصیلی مطالعے کے لئے سازوسامان اور قسم باقسم کے آلات واوزار کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس طرح یہ عظیم الشان آیت بے شمار صنعتی اور تکنیکی علوم وفنون کے علاوہ حسبِ ذیل خالص سائنسی علوم کی بھی بنیاد نظر آتی ہے:

علمِ تخلیق کائنات	COSMOLOGY
فلکیات	ASTRONOMY
فلکی طبیعیات	ASTRO PHYSICS
موسمیات	METEOROLOGY

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارضیات	____________	GEOLOGY
ارضی طبیعیات	____________	GEO PHYSICS
علمِ جغرافیہ	____________	GEOGRAPHY
علمِ معدنیات	____________	MINEROLOGY
طبیعیات	____________	PHYSICS
کیمیا	____________	CHEMISTRY
حیاتیات	____________	BIOLOGY

واقعہ یہ ہے کہ اس آیتِ کریمہ کی صحیح عظمت بیان کرنا اور اس کے تمام علوم و معارف کا احاطہ کرنا انسانی طاقت سے باہر دکھائی دیتا ہے۔ مگر جتنے بھی علوم و مسائل اور اسباق و بصائر کا استنباط کیا جائے وہ سب "علمِ اسماء" ہی کے دائرہ میں ہوں گے۔ یعنی وہ علم جو حضرت آدمؑ کو دیا گیا تھا، جیسا کہ قرآن کی تصریح ہے کہ اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام (اور ان کے آثار و فوائد) بتا دیئے تھے۔

راقمِ سطور نے اپنے مضامین میں جگہ جگہ اس کی صراحت کی ہے کہ قرآنِ مجید نظری اور عملی دونوں قسم کی سائنسوں کا داعی و مبلغ ہے۔ چنانچہ اُوپر جو آیتِ کریمہ پیش کی گئی ہے وہ ہر قسم کی نظری سائنسوں کی بنیاد ہے اور حسبِ ذیل آیات میں عملی (پریکٹیکل) سائنسوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے:

"اللہ الذی خلق السمٰوٰتِ والارض وانزل من السماءِ ماءً فاخرج بہٖ من الثمراتِ رزقالکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہٖ وسخر لکم الانھر وسخر لکم الیل والنھار واٰتکم من کل ماسألتموہ وان تعدوا نعمت اللہ لاتحصوھا ان الانسان لظلوم کفار" ۔

اللہ وہ ہے جس نے زمین اور اجرامِ سماوی کو پیدا کیا اور بلندی سے پانی برسایا۔ پھر اُس پانی سے تمہاری روزی کی خاطر (طرح طرح کے) میوے نکالے۔ اور کشتیوں کو تمہارے قابو میں کیا تاکہ وہ سمندر میں اُس کے حکم سے چلتی رہیں (تاکہ تم جہاں چاہو بآسانی سفر کر سکو)۔ اور دریاؤں کو تمہارے لئے رام کر دیا (کہ حسبِ منشا ان پر بندھ باندھ کر ان کا رُخ موڑ سکو)۔ اور تمہارے لئے آفتاب و ماہتاب کو مُسخر کیا (کہ ان کی توانائیوں سے تم خاطر خواہ طور پر مستفید ہو سکو)۔ اور تمہارے لئے دن اور رات کو کام میں لگایا (تاکہ تمہارے کام کرنے اور راحت پانے کے اوقات متعین ہو سکیں) اور اُس نے (اس طرح) تمہارے (تمام فطری) مطالبات پورے کر دیئے۔ (لہٰذا) تم اگر اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی چاہو تو نہ کر سکو گے۔ انسان بڑا ہی ستم گار اور ناشکرا ہے (جو ان نعمتوں سے مستفید ہونے کے باوجود خُدا کا انکار کر بیٹھتا ہے)۔ (ابراہیم: ۳۲-۳۴)۔

ان آیات میں بنیادی اور اُصولی طور پر تین قسم کی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (۱) برّی، (۲) بحری، اور (۳) سماواتی۔ ان تینوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی مختصر تشریح اس طرح ہے:

(۱) برّی فوائد اور نعمتیں:

برّی نعمتوں میں خصوصیت کے ساتھ زمین کی پیداوار کیلئے نہروں اور دریاؤں کے ذریعہ آب پاشی کا طریقہ سمجھایا گیا ہے۔ اس طریقے کو اپنا کر نیز اپنی عقل و تجربے کو کام میں لاکر اور نئے نئے آلات و وسائل کے ذریعہ انسان زرعی پیداوار میں ترقی کر سکتا اور زمین کی نعمتوں سے متمتع و بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔ مگر اس کیلئے علمِ جغرافیہ، علمِ زراعت اور آب رسانی کے طریقوں سے واقفیت ضروری ہے۔

(۲) بحری فوائد اور نعمتیں:

یہ زرعی پیداوار اور دیگر صنعتی اشیاء اور سامانِ تمدن کو دُنیا کے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچا کر حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ اور اس راہ میں سمندری سفر، سمندری راستوں اور سمندری تجارت کے اُصولوں سے واقفیت ضروری ہے، جو کسی قوم یا ملک کی ترقی و خوشحالی اور اس کی سربلندی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس کے بغیر آج کوئی قوم نہ ترقی یافتہ کہلا سکتی ہے اور نہ زندگی کی حقیقی لذتوں سے آشنا ہو سکتی ہے۔ آج تمدن کی ترقی کا سارا دارومدار سمندری تجارت اور جہازوں کی نقل و حرکت پر موقوف ہے۔ اور کسی قوم کے ترقی یافتہ ہونے کی دلیل یہ سمجھی جاتی ہے کہ دُنیا کے سمندروں اور پانیوں پر اس قوم کا کتنا قبضہ ہو چکا ہے! محض تجارتی نقطۂ نظر ہی سے نہیں بلکہ آج کل تو سمندروں میں جنگی اور عسکری جہاز...... برق و بھاپ اور ایٹمی طاقت سے چلنے والے...... نہایت درجہ ہیبت ناک انداز میں دندناتے اور غیر ترقی قوموں اور ملکوں پر اپنے غلبے اور استیلاء کی دھاک بٹھاتے پھر رہے ہیں۔

اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ سمندری تسخیر کے لئے جہاز سازی اور دیگر متعلقہ سائنسی و صنعتی علوم و فنون میں کمال حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور یہ چیز آج ''سمندری نعمتوں'' کے حصول سے زیادہ خود اپنی حفاظت و مدافعت کے لئے بھی ضروری ہے۔ ورنہ کوئی قوم اُن بیرونی خطرات کا مقابلہ نہیں کر سکے گی جو سمندر کی راہ سے آنے والی ہوں۔

(۳) سماواتی فوائد اور نعمتیں:

زمین کی پیداوار میں سماواتی اثرات کا اگرچہ براہِ راست اور بالواسطہ تعلق ضرور پایا جاتا ہے، مثلاً بارش اور نباتات کے نشوونما میں سورج کے اثرات کی کارفرمائی وغیرہ۔ مگر اس موقع پر راست فائدہ اُٹھانے کی ایک مثال شمسی توانائی **SOLAR ENERGY** کا استعمال ہے۔ جو سائنس کی ترقی کی بدولت موجودہ دور ہی میں ممکن ہو سکا ہے۔ اسی طرح زمانۂ مستقبل میں ان سماواتی کُروں سے جتنے بھی فوائد حاصل کئے جائیں، وہ سب اسی کلیہ میں داخل سمجھے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام اُمور کے لئے جدید علوم سے واقفیت اور ان میں دسترس ضروری ہے۔

اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اسلام ہی دُنیا کا واحد مذہب ہے جو علوم جدیدہ اور تمدنِ جدید کی داغ بیل ڈالنے والا اور نوع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانی کو صحیح نظریۂ علم اور صحیح نظریۂ کائنات عطا کرنے والا ہے۔ جس طرح کہ حقیقت بھی پوری طرح عیاں ہوگئی کہ قرآنِ عظیم ہی دُنیا کا وہ پہلا اور آخری صحیفہ ہے جس نے سب سے پہلے نظری THEORETICAL اور عملی PRACTICAL دونوں سائنسوں کی طرف توجہ دلا کر نوعِ انسانی کو مظاہرِ فطرت کی تسخیر پر آمادہ ہوئی، جس کے نتیجے میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ بھی عمل میں آئی۔ اور آج یہ ترقی اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہی ہے۔

مذکورۂ بالا مباحث سے یہ حقیقت پوری طرح روشن ہوگئی کہ تمدنِ جدید دراصل علومِ جدیدہ ہی کے اثرات وثمرات کا نام اور ان کی ترقیوں کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔ اور اس اعتبار سے ''تمدن'' ہر دور میں بدلتا اور تغیرات سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا تمدن...... چاہے وہ قدیم ہو یا جدید...... بذاتِ خود کوئی بُری چیز نہیں ہے۔ بلکہ اصل میں اُس کے غیر صالح اور خُدا سے باغیانہ رُجحانات بُرے اور مُضر ہوتے ہیں۔ مگر اس سے اتنی بات تو صاف ہوجانی چاہیئے کہ اسلام علومِ جدیدہ یا تمدنِ جدید کو مطلق طور پر بُری نظر سے نہیں دیکھتا۔ کیونکہ یہ سب کچھ اُسی کے بالواسطہ یا بلا واسطہ پیدا کیے ہوئے آثار ومظاہر ہیں۔ لہٰذا علمِ جدید اور تمدنِ جدید کے نام سے ہمیں گھبرانے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اُصولی اعتبار سے یہ دونوں اپنے ہی گھر کی چیزیں ہیں۔ نیز اس بحث سے اس غلط نظریہ کا بھی خاتمہ ہوجاتا ہے کہ اسلام انسان کو تمدنی ترقیوں سے روکتا اور ان پر پابندیاں عائد کرتا ہے۔ بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمدنی ترقیوں کو مذہب کے خلاف نہیں سمجھتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نہ صرف جدید علم وتمدن کی سرپرستی کرتا ہے بلکہ انہیں پروان چڑھانے کے لئے نوعِ انسانی کو اس پر اُبھارتا ہے۔ کیونکہ علمِ جدید کی ترقی سے نہ صرف دین وشریعت کے بازو مضبوط ہوتے ہیں بلکہ اس کی وجہ سے انسان کی آسائشوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اور قرآن کی نظر میں یہ دونوں ہی مقاصد اس کے اوّل دن ہی سے مطلوب ومقصود رہے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس موضوع پر سیکڑوں آیات مذکور ہیں۔

حصۂ دُوم

قرآن اور جدید علمِ کلام

ہر نفس ڈرتا ہوں اس اُمت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

قرآن اور جدید علمِ کلام سائنسی حقائق کے ذریعہ نوعِ انسانی پر اتمامِ حُجت موجودہ دور کی ایک اہم ترین ضرورت:

دنیائے اسلام کا عقلی ارتقاء دوسری صدی ہجری (آٹھویں صدی مسیحی) سے شروع ہوا جب کہ یونانی علوم اور خاص کر منطق وفلسفہ کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ شروع ہوا۔ اور اس کے نتیجے میں نئے نئے فکری واعتقادی اور فلسفیانہ مسائل پیدا ہوئے۔ جن سے مسلمانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو اس سے پہلے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ یونانی منطق و فلسفے کی دقت آفرینی کے باعث مسلمانوں کا ایک خاص طبقہ ان علوم کا شیفتہ تھا اور انہی ہر قسم کی تنقید سے بالاتر سمجھتا تھا۔ حالانکہ ایک تو اس میں نظامِ کائنات اور خصوصاً ''افلاک'' کے سلسلے میں بعض بے بنیاد دعوے تھے اور دوسرے یہ کہ وہ اسلام کے اُصل عقائد سے ٹکراتے تھے۔ لہٰذا ان ''نئے علوم'' اور نئے افکار کا مقابلہ کرنے کی غرض سے صاحبِ نظر علمائے اسلام نے ایک نیا فن ایجاد کیا جو ''علمِ کلام'' کے نام سے معروف ہے اور اس علم کے حامل علماء کو ''مُتکلمین'' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ متکلمین اسلام نے اُس دور کی گمراہیوں کا مقابلہ کرنے کی غرض سے نہ صرف چند فلسفیانہ اُصول ایجاد کئے بلکہ گمراہ فلاسفہ سے وقتاً فوقتاً مناظرے کر کے اُن کا ناطقہ بھی بند کر دیا۔ اور اسلامی عقائد پر جو آنچ آ رہی تھی ان کی صحت و صداقت عقلی دلائل کی روشنی میں ثابت کر کے اسلام کی برتری کا علم بلند کیا۔ اس اعتبار سے یہ اُن کا ایک تجدیدی کارنامہ تھا۔

متکلمین اسلام کے برعکس علمائے اسلام کا ایک دوسرا گروہ تھا جو فقہاء اور محدثین کا تھا اور وہ نہ صرف یونانی منطق و فلسفے کو ''علومِ باطل'' قرار دیتا تھا بلکہ خود علمِ کلام کو بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ بلکہ وہ ان کوششوں کو بھی ایک بدعت قرار دیتا تھا۔ مگر تاریخ اسلام کا یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہے کہ پانچویں صدی میں امام غزالی کی کوششوں کی بدولت اسلامی علوم اور یونانی علوم کی باہمی کشمکش نہ صرف یہ کہ ختم ہو گئی بلکہ ان علوم کو مسلمانوں نے پوری طرح گلے لگایا اور تمام اسلامی مدارس کے نصاب میں داخل کر دیا۔ اس طرح اُس دن سے آج تک یہ اسلامی تعلیمات کا جزو بن چکے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جس دور میں اہلِ اسلام کو یونانی علوم کی طرف سے خطرہ اور فکری چیلنج درپیش تھا اُس کا مقابلہ کرنے کی غرض سے اُنہوں نے یہ قدم اُٹھایا تاکہ علمائے اسلام ان غلط اور بے بنیاد افکار و خیالات سے آگاہ ہو کر نہ صرف ان علوم کی کمزوریاں ثابت کریں بلکہ ان کے مقابلے میں اسلامی فلسفۂ حیات کی برتری اور معقول کا سکہ بھی قائم کریں۔ چنانچہ اس حیثیت سے خاص کر امام غزالیؒ، امام رازیؒ اور امام ابنِ تیمیہؒ نے یونانی علوم پر معقول اور تحلیلی انداز میں تنقید کر کے ان کی دھجیاں بکھر دیں اور ان پر ایسے وقیع اعتراضات کئے جن کا آج تک کوئی جواب نہیں دیا جا سکا ہے۔

آج چونکہ یونانی علوم کا چلن باقی نہیں رہا اس لئے اب ان علوم سے چمٹے رہنا ایک غیر معقول بات ہے۔ ظاہر ہے کہ آج علومِ جدیدہ اور خاص کر سائنس کا چیلنج درپیش ہے اس لئے ضروری ہے کہ آج مسلمان اپنے آپ کو نئے ہتھیاروں سے مسلح کریں تاکہ عصرِ جدید میں دینِ برحق کا دفاع صحیح اور بہتر طور پر کیا جا سکے۔ لہٰذا آج ضرورت ہے کہ ہمارے دینی و اسلامی مدرسوں کے نصابِ تعلیم میں بنیادی تبدیلی کر کے سائنسی علوم سے بھی ہمارے طلبہ کو روشناس کرایا جائے۔ یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اور اس اقدام کے بغیر آج ہم نہ تو کارزارِ حیات میں جدید افکار و نظریات کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ اسلام کو ایک برتر اور معقول دین ثابت کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس اقدام کے بغیر علمی و فکری دنیا میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی اور کوئی ذہنی انقلاب برپا نہیں کیا جا سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدیدِ علمِ کلام کے چند رہنما اُصول:

اس لحاظ سے آج ایک نئے علمِ کلام کی بنیاد رکھنے کی ضرورت ہے جو قدیم علمِ کلام کے برعکس تمام تر قرآنِ حکیم سے ماخوذ ہوگا۔ کیونکہ قرآنِ حکیم ہی وہ ابدی صحیفہ ہے۔جس میں جدید علمِ کلام کے تمام اُصول تفصیل کے ساتھ سمجھائے گئے ہیں تاکہ فکری ونظریاتی اعتبار سے گمراہ قوموں اور بے بنیاد فلسفوں کا ابطال کیا جا سکے۔اس لحاظ سے قرآنِ حکیم قیامت تک جتنے بھی غلط عقیدے اور مہمل فلسفے وجود میں آسکتے ہیں ان سب کی تردید میں ہمارے لئے ایک رہنما کا کام دے سکتا ہے بشرطیکہ ہم اُس کے معانی ومطالب کو جدید علوم وافکار اور حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کریں۔اس لحاظ سے وہ ایک حیرت انگیز کلام دکھائی دیتا ہے۔چنانچہ وہ ہر دور کے انسانوں کو مخاطب کر کے صاف صاف کہتا ہے کہ اس میں اُن کی ''داستان موجود ہے۔

'' ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمہارا تذکرہ موجود ہے۔کیا تم نہیں سمجھتے ؟ '' (انبیاء:۱۰)۔

اصل بات یہ ہے کہ قرآنِ حکیم ایک مختصر ترین کلام ہونے کے باوجود ایک اعجازی اور عجیب وغریب قسم کی علمی کتاب ہے جو ہر دور کے انسان کے فکری وذہنی احوال وکوائف پر منطبق ہو سکتی ہے اور ہر دور کے انسان کے لئے درسِ عبرت بن سکتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں جگہ جگہ زمین وآسمان اور ان میں پھیلی ہوئی تمام چیزوں کے تفصیلی مطالعہ وجائزہ کی دعوت دیتے ہوئے ان اشیاء میں موجود نظاموں کو سمجھنے اور ان سے صحیح منطقی نتائج حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔اس دعوتِ فکر کا منشا یہ ہے کہ انسان جب ان اشیاء میں جاری وساری طبیعی وقواعد وضوابط کا مطالعہ کرے گا تو اس پر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ ان اشیاء کے نظام میں نہ صرف یہ کہ ایک حیرت انگیز قسم کی وحدت پائی جاتی ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب ایک لگے بندھے اُصول کے تحت رواں دواں ہیں جن میں کسی قسم کا انتشار یا بدنظمی موجود نہیں ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کائنات کے پس پردہ ایک عظیم الشان ضرور موجود ہے ورنہ اس قدر حیرت انگیز نظم وضبط ناممکن ہے۔اسی ہستی کو اسلام خالق اور ربّ کہتا ہے۔چنانچہ اُس کی ''خلاقیت'' اور ''رُبوبیت'' کے نظارے اور کرشمے دنیا کی ہر شے اور ہر مظہرِ قدرت میں نمایاں ہیں اور ان صفات کے نقوش سے کائنات کا ذرہ ذرہ مُنور ہے۔

آج بہت سے مادہ پرست اور سائنس داں ایسے ہیں جو خُدا کے وجود کو نہیں مانتے۔مگر یہ اُن کا ایک فکری تضاد ہے۔کیونکہ تمام سائنسی علوم اصلاً اثباتِ اثباتِ خدا وندی کی تصدیق وتائید کررہے ہیں۔مگر مادہ پرست محض اپنے عناد کے باعث علمی حقائق کا انکار کر دیتے ہیں یا ان حقائق میں اپنی خواہشاتِ نفس بھی شامل کر کے معاملہ کو مشتبہ بنا دیتے ہیں۔

لہٰذا آج علمائے اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ سائنسی علوم کا حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے جائزہ لے کر منطقِ صحیح کی رُو سے خود ان علوم کی روشنی میں اتمامِ حجت کریں۔ظاہر ہے کہ جب دلیل واستدلال کے میدان میں مادہ پرست سائنس دانوں کو شکست ہو جائے تو پھر پوری دنیائے علم پر اسلامی فلسفے کی برتری مسلم ہو جائے گی۔

اور یہ وقت کا ایک عظیم ترین کارنامہ ہوگا۔چنانچہ قرآنِ کریم ایک موقع پر بطورِ اتمامِ حُجت صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ نہ صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمین پر پھیلی ہوئی تمام چیزوں میں بلکہ خود انسانی نفوس میں بھی خدا کے وجود کی نشانیاں (NATURAL SIGNS) موجود ہیں:

"اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ اور خود تمہاری ہستیوں میں بھی۔ کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا ؟ "۔ (ذاریات: ۲۰۔۲۱)۔

زمین پر پھیلی ہوئی اشیاء سے مراد عالمِ جمادات، عالمِ نباتات اور عالمِ حیوانات سے متعلق چیزیں ہیں۔ اور انسانی وجود سے متعلق جو چیزیں ہیں وہ اُس کے حیاتیاتی اور نفسیاتی احوال و کوائف ہیں۔ اس لحاظ سے یہ آیاتِ کریمہ علمِ جمادات (جیالوجی) علمِ نباتات (باٹنی) علمِ حیوانات (زوالوجی) علمِ طب (میڈیسن) اور علمِ نفسیات (سائیکالوجی) وغیرہ تمام علوم پر محیط ہیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ جب تک ان علوم پر دسترس حاصل نہ ہوگی وجودِ باری سے متعلق یہ شہادتیں اور یہ حقائق منظرِ عام پر نہیں آسکتے۔ ظاہر ہے کہ یہ آیات کا صاف وصریح تقاضا ہے کہ علمائے اسلام ان علوم میں کمال حاصل کر کے موجودہ گمراہ انسانوں کی رہنمائی کریں اور یہ اُن کے ذمہ ایک فرض کفایہ ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کے بے شمار آیات موجود ہیں۔ لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہے کہ متعلقہ علوم سے کما حقہ واقفیت کے بغیر نہ تو ان آیات کی صحیح تفسیر ہوسکتی ہے اور نہ جدید تقاضوں کو نظرانداز کر کے موجودہ انسانوں پر اتمامِ حجت ہوسکتی ہے۔ تیسری بات یہ کہ ان علوم وفنون کا جائزہ لے کر اہلِ اسلام کو حکیمانہ، جدید سے جدید تر اُسلوب اور بہترین انداز میں نوعِ انسانی کے سامنے خُدائی ہدایت کی وضاحت کرنی چاہیئے۔

"تم (لوگوں کو) اپنے ربّ کے راستے کی طرف بلاؤ، دانش مندی اور اچھی نصیحت کے ساتھ، اور ان سے بہترین طریقے سے مباحثہ کرو "۔ (نحل: ۱۲۵)۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ عصرِ جدید کی بے انتہا ترقی کے باعث تمام علوم وفنون پوری طرح مدوّن ومرتب ہو کر ہمارے سامنے آگئے ہیں۔ اگر اب بھی ہم قرآنی مقصد ومنشا کے مطابق ان علوم سے فائدہ اُٹھا کر دینِ برحق کی برتری ثابت نہ کریں تو اس سے بڑھ کر محرومی اور کیا ہوسکتی ہے۔ ہمارا کام صرف اس قدر ہے کہ تمام جدید علوم وفنون کا جائزہ لے کر قرآنِ عظیم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نوعِ انسانی کی رہنمائی یا اُس پر اتمام حجت کردیں۔ یہی جدید علمِ کلام یا قرآنی علمِ کلام ہے۔

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری

علم اشیاء اور نظامِ رُبوبیت:

اس مادی دنیا میں حیوانات، نباتات اور جمادات سے متعلق جتنی بھی چیزیں پائی جاتی ہیں اُن کے طبعی خواص وتاثیرات معلوم کرنے کا نام "علم اشیاء" ہے اور اس کو موجودہ زبان میں سائنس کہا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر خدا کی پیدا کردہ مخلوقات یا اشیائے عالم کے تفصیلی مطالعہ کا نام علمِ اشیاء یا سائنس ہے۔ اور اس علم کے صحیح مطالعہ یا جائزہ سے خدا کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطالعہ صحیح نقطۂ نظر سے کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو کچھ اس ڈھنگ سے پیدا کیا ہے اور ان میں مخلوق پروری کی خاطر جو پیچیدہ نظام رکھا ہے۔ اس کے مطالعہ و جائزہ سے انسان کی رسائی ایک ذاتِ برتر تک ضرور ہو جاتی ہے۔ مادی اشیاء اور مخلوقاتِ عالم کا یہ نظام قرآن حکیم کی زبان میں ''رُبوبیت'' کہلاتا ہے جو خُدا کی خلّاقیت اور اُس کی مخلوق پروری کے سلسلے میں ظہور پذیر ہونے والے انتظام و انصرام کا نام ہے۔ یعنی رُبوبیت سے مراد خُدائی انتظام ہے جو اشیائے علم کے مادی احوال و کوائف سے متعلق ہے۔ اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ دنیا کی تمام اشیاء اور کُل مخلوقات کا ''ربّ'' ہے۔ یعنی اُن کی دیکھ بھال کرنے اور ان کی مادی ضروریات کو پورا کر کے انہیں درجۂ کمال تک پہنچانے والا۔ چنانچہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت کی جو پہلی آیت ہے وہ اِسی ''عالمگیر رُبوبیت'' سے متعلق ہے، اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

" الحمد للہ رب العالمین '' ۔

تعریف کا مستحق صرف اللہ ہے جو سارے جہاں کا ربّ ہے۔ (سورۂ فاتحہ) یعنی تمام اشیائے عالم کا منتظم اور نگرانِ اعلیٰ ہے۔ اور اس کی وضاحت دوسرے مقامات پر اس طرح کی گئی ہے:

" رب السمٰوت والارض وما بینھما " ۔

وہ آسمانوں، زمین اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ موجود ہے ان سب کا ربّ ہے۔ (صافات: ۵)۔

" وھو رب کل شیٔ " ۔

اور وہ ہر چیز کا رب ہے۔ (انعام: ۱۶۴)۔

اس لحاظ سے انسان جب اشیائے عالم کا مطالعہ کرتا ہے تو لامحالہ طور پر اُس کے سامنے خلّاقِ عالم کی رُبوبیت کا حال واضح ہو جاتا ہے اور اُس کے سامنے معرفتِ الٰہی کے نئے نئے ابواب آتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی عبرت کے لئے عجیب و غریب اسباق و بصائر رکھ دیئے ہیں۔ اسی بنا پر قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر نظامِ کائنات کو سمجھنے اور ان سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور اس سے اعراض کر کے غلط روش اور غلط طرزِ فکر اختیار کرنے والوں کی سخت مذمت کی گئی ہے:

" اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوتِ والارض وما خلق اللہ من شیءٍ وان عسٰی ان یکون قد اقترب اجلھم فبای حدیثٍ بعدہ یؤمنون " ۔

کیا انہوں نے دُنیائے ارض و سماوات اور اللہ کی پیدا کردہ چیزوں میں نظر نہیں کی؟ عجب نہیں کہ اُن کا وقت قریب آ چکا ہو! (اتنی صراحتوں کے باوجود) آخر وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے؟ (اعراف: ۱۸۵)۔

'' وکاین من اٰیۃٍ فی السمٰوٰت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون " ۔

اور زمین و آسمانوں میں کتنی ہی ایسی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں۔ (ابو یوسف: ۱۰۵)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت یہ ہے کہ عالمِ ارض اور عالمِ سماوات اور اُن کے حیرت انگیز نظاموں میں اتنے دلائل وشواہد اور رُبوبیت کے اس قدر نشانات (NATURAL SIGNS) موجود ہیں جن سے اعراض کرنا اور آنکھیں بند کر لینا مشکل ہے۔ صحیفۂ فطرت کے ایک ایک ورق اور اُس کے ہر نقش و نگار پر اُس کے حیرت انگیز خالق و مُربّی اور مُدبّر و منظّم کا نام اور اتہ پتہ ایک عجیب وغریب اور اعجازی زبان میں مرقوم ہے۔

جس طرح مختلف کمپنیوں کے مختلف ٹریڈ مارک ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر ہر شخص پہچان لیتا ہے کہ فلاں فلاں مصنوعات فلاں فلاں کمپنی کی بنی ہوئی ہیں۔ بالکل اسی طرح فطرت کی رعنائیوں اور اُس کی گلکاریوں میں بھی ایک برتر ہستی کی خلّاقیت و رُبوبیت کا جلوہ نظر آتا ہے جسے ہم رُبوبیت کا ٹریڈ مارک کہہ سکتے ہیں۔

غرض رُبوبیت کی ان نشانیوں یا اُس کے اشاروں کو سمجھنا اور اس علم کی چھان بین کرنا خُدائی دلائل (جن کو قرآن کی زبان میں آفاقی وانفسی دلائل کا نام دیا گیا ہے) ہی کی چھان بین اور تحقیق و تدوین کرنا ہے، تاکہ منکرینِ خدا پر اتمامِ حجت ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ نظامِ کائنات میں غور وفکر کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور اس پر مختلف حیثیتوں سے اُبھارا گیا ہے:

" ان فی خلقِ السمٰوٰت والارضِ واختلاف الیل والنھار لایت لاولی الالباب " ۔

یقیناً زمین اور آسمانوں کی تخلیق اور دن رات کے ہیر پھیر میں عقل مندوں کیلئے بہت سے نشانات موجود ہیں۔ (آل عمران: ۱۹۰)

اسی طرح نظامِ کائنات سے عبرت وبصیرت حاصل نہ کرنے والوں اور صحیح افکار ونتائج کو جھٹلانے اور ان سے اعراض کرنے والوں کو بہائم اور چوپاؤں سے تشبیہ دی گئی ہے:

" ولقد ذرانا لجھنم کثیراً من الجن والانس ...... " ۔

اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جن اور انسان پھیلا رکھے ہیں، جن کے دل تو ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں۔ اور ان کی آنکھیں تو ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کے کان تو ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے (کیونکہ) یہ لوگ غافل اور بے پرواہ ہیں۔ (اعراف: ۱۷۹)۔

اسلام کی دوبارہ سربلندی کے لئے مادی فلسفوں اور مادی تحریکوں کا توڑ ضروری:

تازہ پھر دانشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم
گزر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوبِ کلیم (اقبال)

آج دُنیا میں جدھر دیکھئے مادی افکار ونظریات اور مادی فلسفوں کا دور دورہ نظر آتا ہے۔

اور یہ افکار ونظریات سیلاب کی طرح اُمڈے چلے آرہے ہیں جو نوعِ انسانی کے ذہن ودماغ پر بُری طرح چھائے ہوئے ہیں اور ان کے عقائد پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ اور اس باب میں مذہبی خیالات رکھنے والے گھرانے اور خاندان بھی محفوظ نہیں ہیں۔ ان بے خدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افکار ونظریات کی یلغار جس طرح فرد اور معاشرے پر ہو رہی ہے اسی طرح وہ ملکوں اور قوموں پر بھی ہونے لگی ہے۔ اور اس کی واضح مثال مُسلم افغانستان ہے جس پر اشتراکی روس حملہ کر کے اس کے اسلامی تشخص کو مٹانے اور اس پر اشتراکیت ودہریت مُسلط کرنے کے درپے ہے۔ اور اس پر وہ ہر قیمت پر غالب ومُسلط رہنے کا خواہش مند نظر آتا ہے۔ جیسا کہ اس ملک کو چھوڑنے کے سلسلے میں اُس کی ناجائز شرائط سے ظاہر ہوتا ہے۔

غرض آج ساری دنیا میں اسلام افکار وضوابط اور اسلامی نظام کو مٹانے کے لئے منظم تحریکیں چل رہی ہیں۔ اور خاص کر بڑے اور ترقی یافتہ ممالک کی للچائی ہوئی نظریں پورے عالم اسلام پر لگی ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں آج اہلِ اسلام پر دو قسم کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں:

ا:...... پہلی ذمہ داری یہ کہ مادی افکار ونظریات اور وقت کے مُلحدانہ فلسفوں کا مقابلہ کرنے کے لئے علمی وعقلی اعتبار سے ایسا لٹریچر تیار کیا جائے جو ان باطل افکار اور باطل فلسفوں کا معقول انداز میں ردّ کر کے اسلامی فکر اور اسلامی نظامِ حیات کی برتری ثابت کرنے والا ہو۔ تاکہ آج نوعِ انسانی کے ذہنوں میں جن غلط افکار کا سکہّ بیٹھا ہوا ہے وہ پوری طرح زائل ہو جائے۔

۲:...... دوسری ذمہ داری یہ کہ سیاسی اور بین الاقوامی اعتبار سے آج جن مُسلم حکومتوں کو بیرونی قوتوں کی طرف سے خطرہ لاحق ہے اُن کی مادی واخلاقی ہر طرح سے مدد کی جائے تاکہ وہ اپنے ملکوں کا صحیح دفاع کرتے ہوئے اغیار کی ہوسناکیوں کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔

اس سلسلہ میں اقدامِ اول کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے فکری ونظریاتی اعتبار سے ذہنوں میں بنیادی تبدیلی آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک جسمانی معرکہ سر کرنے سے پہلے ایک ذہنی معرکہ سر کرنا پڑتا ہے۔ جب تک یہ بنیادی تبدیلی نہ آئے کارزارِ حیات میں عملی جدوجہد کے لئے فضا سازگار نہیں ہوتی۔ اس اعتبار سے آج باطل افکار اور باطل نظاموں کا اصل مقابلہ لٹریچر کے میدان میں ہونا چاہئے۔ یعنی ان مادی افکار ونظریات کے شیش محلوں کو چکنا چور کرنے کے لئے طاقتور قسم کا لٹریچر تیار کیا جائے۔ اور یہ اقدام بھی آج جہاد فی سبیل اللہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ غرض آج اگر اسلام کو صحیح معنی میں ایک بلند اور برتر نظام ثابت کرنا ہے تو اس قسم کا بنیادی اقدام بہت ضروری ہے اور اس کے بغیر اسلام کا صحیح معنی میں دفاع نہیں ہو سکتا۔ محض باتوں اور تقریروں سے کوئی تبدیلی عمل میں نہیں آتی، جب تک کہ ٹھوس اقدامات نہ کئے جائیں۔

اصحابِ ثروت کی ذمہ داریاں:

مگر ظاہر ہے کہ ان اقدامات کے لئے مال یا پیسہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور جب تک اس راہ میں مال خرچ نہ کیا جائے کوئی پائیدار نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جن اصحاب کو مال ودولت عطا کیا ہے اُن پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس راہ میں بغیر کسی بخل کے نہایت فراخدلی کے ساتھ اسلامی نظام کے دفاع کی خاطر اپنا مال خرچ کریں۔ اور اس سلسلے میں اصحابِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مال کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مال و دولت کسی کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ درحقیقت اس کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے جو محض ابتلا اور آزمائش کی خاطر کسی کو عنایت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ محض انسان کا دل رکھنے کی خاطر ایک درجے میں اُس کی ملکیت کو تسلیم بھی کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی گئی ہے۔

مال درحقیقت ایک ابتلاء اور آزمائش کی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے مالدار شخص پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مگر بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ چونکہ وہ ہماری ذاتی محنت اور ذاتی صلاحیتوں کا نتیجہ ہے اس لئے ہم کو ہر حیثیت سے اس کے تصرف پر پورا پورا اختیار ہے۔ مگر یہ صحیح اسلامی نظریہ نہیں ہوسکتا۔ قرآنِ حکیم میں حقوق العباد نیز قومی و ملی کاموں میں خرچ کرنے پر جتنا زور دیا گیا ہے وہ کسی دوسرے حکم پر سوائے نماز کے نہیں دیا گیا۔ بلکہ ایک موقع پر تو ایمان لانے کے بعد دوسرا جو فوری حکم دیا گیا ہے وہ انفاق یعنی (قومی و ملی کاموں پر) خرچ کرنے کا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

" امنوا باللہ ورسولہٖ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ فالذین اٰمنوا منکم وانفقوا لھم اجر کبیر "

(اے مسلمانو) اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس مال میں اُس نے تم کو قائم مقام بنایا ہے اُس میں سے (اُس کی راہ میں) خرچ کرو۔ اس طرح تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور خرچ کریں اُس کے لئے بڑا اجر ہے۔ (حدید:۷)۔

اس موقع پر ایمان اور انفاق میں تعلق یہ ہے کہ قوموں کی زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جب کہ ایمان کو بچانا سب سے زیادہ مشکل کام اور سب سے بڑا جہاد بن جاتا ہے۔ ایسے مشکل اور نازک مراحل میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی ایمان و اسلام کے دفاع کے راستے میں اپنے خزانوں کو لٹادینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ ورنہ ایسے موقعوں پر بُخل کرنا قومی و ملی موت ثابت ہوسکتا ہے۔ چنانچہ آج دنیائے اسلام اسی قسم کے احوال و کوائف سے گزر رہی ہے۔ لہٰذا ایسے نازک موقع پر اصحابِ مال کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے صحیح رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ ورنہ پھر اللہ تعالیٰ اپنی ازلی سُنت کے مطابق ایسی بخیل قوموں اور ملتوں کا تختہ اُلٹ دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

" ھا نتم ھولاءِ تدعون لتُنفقوا فی سبیل اللہ فمنکم من یبخل ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہٖ واللہ الغنی وانتم الفقراء وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم " ۔

ہاں دیکھو تم ہی وہ لوگ ہو کہ (جب) تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ بُخل کرنے لگ جاتے ہیں (تو خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ) جو لوگ بُخل سے کام لیتے ہیں وہ اپنی ہی ذات سے بُخل کرتے ہیں۔ اور اللہ کسی کا محتاج نہیں (بلکہ) تم سب (اُس کے) محتاج ہو۔ اور (خوب سُن لو کہ) تم اگر (انفاق سے) رُوگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لے آئے گا۔ پھر وہ تم جیسے (بخیل) نہ ہوں گے۔ (محمد:۳۸)۔

جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے | وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامۂ فردا | (اقبال)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشیائے عالم میں اَسباب وعِلل کا وجود:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر شے اور ہر مظہرِ قدرت کو نظم وضبط کا پابند بنایا ہے۔ چنانچہ دُنیا کی ہر چیز چند متعین قوانین وضوابط کی پابند نظر آتی ہے۔ اور پھر ہر چیز میں چند مخصوص اثرات ہوتے ہیں جو دوسری خصوصیات کو جنم دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے مظاہرِ عالم میں ''اثر وتاثیر'' کا ایک سلسلہ جاری ہے۔ بالفاظ دیگر یہ عالمِ مادّی ''اسباب وعِلل'' کے وسیع سلسلے میں جکڑ دیا گیا ہے۔ مثلاً سورج کی کرنوں کی وجہ سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر اُوپر اُٹھتا ہے اور بادلوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ سورج کی روشنی ہی کی بنا پر کھیتیاں پکتی ہیں اور پھل پھول نمودار ہوتے ہیں۔ سورج کی روشنی جراثیم کُش ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے تعفن اور سڑاند وغیرہ ختم ہو جاتی ہے۔ حیوانات ونباتات کی زندگی کا دارومدار پانی پر ہے۔ اگر پانی نہ ہو تو کوئی بھی چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔

" وقس علی ذلک " .

اگرچہ ان اسباب وعلل کی تکمیل حق تعالیٰ جل شانہ کے ہاتھ میں ہے کہ وہ جس طرح چاہتا ہے انہیں چلاتا ہے۔ مگر وہ عموماً ''ان ظاہری اسباب'' کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ کیونکہ اُسی نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت اپنے بندوں کی ابتلاء وآزمائش کی غرض سے اس کا سلسلہ چلا رکھا ہے۔

" وخلق کل شیئی تقدیراً " .

'' اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ پھر اُس کا ایک متعین ضابطہ بنایا '' ۔(فرقان:۲)۔

غرض قرآن حکیم میں ایسی بہت سی آیتیں موجود ہیں جن میں مادی اشیاء میں جاری شدہ اسباب وعلل کے اثبات میں بنیادی اشارے کیے گئے ہیں۔ مثلاً ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس نے آسمان کی بلندی سے بارش برسائی۔ پھر اس بارش کے ذریعے قسم باقسم کے نباتات اُگا دئے:

" وانزل من السماء ماء فاخرج به نبات کل شیئی " .

اور اُس نے اُوپر سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اُس پانی کے ذریعِ مختلف نباتات کے جوڑے نکال دئے۔(طٰہ:۵۳)۔

اس آیت کریمہ میں مختلف قسم کے پیڑ پودوں کے اُگنے کا سبب بارش قرار دی گئی ہے، جیسا کہ دیگر آیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے موقع پر رنگ برنگے میووں کو اس بارش اور پانی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

"الم تر انزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات مختلفاً الوانها " .

(اے مخاطب) کیا تو نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اُس پانی کے ذریعہ مختلف قسم کے رنگ برنگے میوے نکال دئے ؟ (فاطر:۲۷)۔

ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے کہ ان میووں اور انواع واقسام کے پھلوں وغیرہ کا ذائقہ اور ان کی لذت جُدا جُدا مقرر کی گئی ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جوان اشیاء میں ''تاثیر'' پر ایک ''نصِ قطعی'' (قرآن کا صریح اور واضح بیان) ہے۔

پھر اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اس باب میں دانش مندوں کے لئے وجودِ باری کے دلائل موجود ہیں:

" وفی الارض اية لقومٍ يعقلون "

اور زمین میں چند خطّے ایک دوسرے سے ملے ہوئے بھی ہیں جن میں انگور کے باغ، کھیتیاں اور کھجور کے درخت...... شاخوں دار اور بے شاخوں والے سب...... موجود ہیں۔ اور وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں۔ (مگر اس کے باوجود) ہم ذائقے میں ایک دوسرے پر فوقیت دیتے ہیں۔ اس میں عقل مندوں کے لئے (وجود باری کے) دلائل موجود ہیں۔ (رعد:۴)۔

حاصل یہ کہ اشیائے کائنات اور خاص کر عالمِ نباتات میں ''رنگوں'' اور ''ذائقوں'' کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ جوان انواع میں سے ہر ایک کی مخصوص نوعی خواص وتاثیرات پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ خصوصیات وتاثیرات وجودِ باری اور اُس کی رُبوبیت کا بھی زبردست ثبوت ہیں۔ جن میں غور وفکر کرنے کے باعث اس سلسلے میں ناقابلِ تردید دلائل وشواہد فراہم ہوتے ہیں۔ یہی خصوصیات وتاثیرات تمام سائنسی وطبّی علوم کی بھی بنیاد ہیں، جوان دلائل وشواہد کی فراہمی میں آج ہمارے معاون ومددگار نظر آرہے ہیں۔ لہٰذا ان علوم کا انکار کرنا یا اشیاء میں خواص وتاثیرات کے نظریہ کو غلط اور مُہمل قرار دینا قرآن حکیم کی ان تصریحات کے خلاف ہے۔

اشیاء میں خاصیت وتاثیر کیا ہے؟ آگ جلاتی ہے، پانی آگ بجھاتا ہے۔ پانی پیاس بجھاتا ہے۔ پانی نظامِ ہضم میں مدد دیتا ہے۔ پانی سے نباتات اُگتے ہیں۔ پانی تمام زندہ اشیاء کا جزو ہے۔ پانی ہائیڈروجن اور آکسیجن دو عناصر سے مرکب ہے۔ سنکھیا کھانے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ شکر مٹھاس پیدا کرتی ہے۔ نمک مُنہ کے ذائقہ کو تلخ کر دیتا ہے۔ نمک سوڈیم اور کلورین دو عناصر کا مجموعہ ہے۔ کریلا ذائقہ میں کڑوا ہے مگر صحت کے لئے مفید ہے۔ لیموں میں بہت سے طبّی فوائد موجود ہیں۔ ہم سانس کے ذریعہ آکسیجن لیتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں۔ انسان نباتات کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح بجلی ہمارے گھروں کو منوّر کرتی ہے۔ بجلی ایک طاقت ہے جو الکٹرانوں کے ایک سیدھ میں بہاؤ کا نام ہے۔ بجلی سے بڑی بڑی مشینیں چلتی ہیں۔ کسی چیز کو گرم کرنے سے اُس سے حرارت اور بھاپ خارج ہوتی ہے۔ اس بھاپ کو مقید کر کے اس سے بڑے بڑے کام لئے جاتے ہیں۔ بھاپ سے ریلیں اور موٹریں چلتی ہیں۔ بھاپ اور بجلی ہماری اکثر تمدنی ضروریات پوری کرتی ہیں۔ ایٹم میں ایک زبردست قوت موجود ہے جو ایٹمی قوت یا جوہری توانائی کہلاتی ہے۔ جوہری توانائی سے بجلی حاصل ہوتی ہے۔ جوہری توانائی سے سمندری جہاز، آبدوز اور مزائیل وغیرہ چلائے جاتے ہیں۔ جوہری توانائی سے ایٹم بم بنایا جاتا ہے، جس کی تباہ کاریاں ہیبتناک اور رونگٹے کھڑا کر دینے والی ہیں۔

روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے۔ برقی مقناطیسی لہروں کے ذریعہ ہماری آواز کو کرۂ ارض کے چاروں طرف پھیلایا جا سکتا ہے۔ جس کے باعث ہم اپنے ریڈیو پر آن کی آن میں دنیا بھر کی خبریں سُن لیتے ہیں۔ آواز کے طبعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُصولوں کی بنیاد پر ایجاد کردہ ٹیلی فون کے ذریعہ ہم دُور دراز فاصلوں کے باوجود ایک دوسرے سے بات کر سکتے ہیں۔ٹرانسمیٹر، ٹیلی پرنٹر اور ٹیلکس کے ذریعہ ہم اپنے پیغامات دُنیا کے کسی بھی حصّے میں آن کی آن میں پہنچا سکتے ہیں۔

مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے یہ چند اہم پہلو آپ کے سامنے رکھ دیئے گئے ہیں۔ان حقائق کے ملاحظہ سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ پورا کارخانہ قدرت اسباب وعِلل اور خواص وتاثیرات کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔اور ہماری روزمرہ کی زندگی میں ان اسباب وعِلل اور ان کی کارفرمائیوں سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے۔

غرض یہ اور اس طرح کی بے شمار چیزیں ہیں جن کا ذکر سائنسی اور طبّی علوم میں کیا جاتا ہے۔اشیاء کی انہی خواص وتاثیرات سے استفادے کا نام اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھانا ہے۔اور یہ نعمتیں ان اشیاء کی تسخیر سے حاصل ہوتی ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اشیاء میں خواص وتاثیر اللہ تعالیٰ نے اپنی عجیب وغریب حکمت ومصلحت کے باعث رکھ چھوڑی ہے جو اس کے ہمہ گیر ''نظامِ رُبوبیت'' کا ایک مظہر ہے۔ظاہر ہے کہ اس عالمِ رنگ وبُو میں خاصیت اور تاثیر کا پایا جانا اس بات کی علامت ہے کہ یہ کائنات اور اس کے مظاہر دفعتاً نمودار نہیں ہوگئے۔ بلکہ ایک زبردست منصوبہ بندی کے تحت بتدریج رُونما ہوئے ہیں۔اور بغیر کسی کارساز کے کسی بھی شے میں کوئی تاثیر پیدا نہیں ہوسکتی، اور نہ ان مظاہر میں رنگارنگی پیدا ہوسکتی ہے۔اختلافِ الوان اور اختلافِ خواص ایک زبردست کرشمہ ساز کے وجود کو دلالت کرتا ہے۔

آج اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے ان مادّی اشیاء کی کارفرمائیوں کی بھی بڑی اہمیت ہے۔مادّی اعتبار سے قوت وطاقت حاصل کرنا اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے بہت ضروری ہے ورنہ سیاسی اعتبار سے غلبہ حاصل نہیں ہوسکتا۔یہ بھی دراصل اسباب وعِلل ہی کے ماتحت ہے۔اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے مادی اسباب وعِلل کا جائزہ لینا اور اس کے لئے مکمل منصوبہ تیار کرنا بہت ضروری ہے۔اور یہ چیز اللہ پر توکل کے خلاف نہیں ہے۔لہٰذا ان دونوں اُمور میں توازن قائم رکھنا چاہئے۔مگر یہ چیز محض خواہشات اور آرزوؤں کے سہارے برپا نہیں ہوسکتی۔لہٰذا اہلِ اسلام کے طرزِ فکر میں بنیادی تبدیلی آنی ضروری ہے۔انہیں ہر حال میں حقیقت بیں اور حقیقت شناس ہونا چاہئے۔اللہ تعالیٰ نے اس مادّی دنیا کے لئے جو مادّی قوانین جاری وساری کئے ہیں اُن سے صرفِ نظر کرنا قوموں کے لئے پیامِ موت کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلام دینی ودنیوی علم میں فرق نہیں کرتا:

علم ایک مکمل وحدت ہے، جس کے دو بازو ہیں: شریعت اور فطرت۔شریعت اُس کا داہنا بازو ہے اور فطرت NATURE اس کا بایاں بازو۔اور ان دونوں کے صحیح تعاون اور ہمنوائی ہی کی بدولت ایک دوسرے کا صحیح نشوونما ہوسکتا ہے۔اور یہ دونوں کسی بھی طرح ایک دوسرے کے خلاف یا باہم متصادم نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کا نظریہ کوتاہ بینی کی دلیل ہے۔

علم ایک متغیّر اور ارتقاپذیر چیز ہے جو کبھی مکمل نہیں ہوسکتا۔اور اس حیثیت سے وہ قدیم وجدید کی تقسیم بھی قبول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورج کی ہرنئی کرن اپنے جلو میں نئی معلومات اور نئے انکشافات ساتھ لاتی ہے۔لہٰذا اس کو اگر قدیم وجدید کی اصطلاحوں میں تقسیم کردیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر ڈوبنے والے سورج کے ساتھ ہی پورے علم کو قدیم کہنا پڑے گا، جس کے لئے شاید کوئی تیار نہ ہو۔

مگر علم کے ارتقاپذیر ہونے کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم اس علم کو ''شجر ممنوعہ'' سمجھ کر ترک کردیں اور اس سے استفادہ کرنا ہی چھوڑ دیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تجرباتی علوم ومسائل میں تبدیلی بہت ہی کم ہوتی ہے۔اس کے برعکس تغیرّ وارتقاز یادہ تر نظری مباحث ومسائل میں ہوتا ہے۔مظاہرِ کائنات اور ان کے نظاموں کے باہمی روابط کی توجیہہ وتعلیل کے سلسلے میں علمائے فطرت اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ ''ان مظاہر کی کڑیوں کو ملانے کے سلسلے میں بعض مفروضات قائم کریں، جو بعد میں چل کر مزید تجربات کی رُو سے غلط بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔لہٰذا اس بنیاد پر یہ کہنا کہ سائنس یا علمِ جدید چند بدلتے ہوئے نظریات کا نام ہے کسی بھی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔خود علمِ شریعت میں بھی اس کی مثالیں مل سکتی ہیں۔مثلاً علمائے شریعت کسی شرعی یا فقہی مسئلے میں کسی ''نصِ قطعی'' کی عدم موجودگی کی وجہ سے بعض قیاسی واستدلالی توجیہات یا عقلی تاویلات کا سہارا لیتے رہتے ہیں، جن میں اختلافِ آراء اور ترمیم واضافے کی خاصی گنجائش رہتی ہے۔اگرچہ نصوصِ قطعیہ میں کسی قسم کی تبدیلی یا ترمیم واضافے کی گنجائش نہ رہے۔

اس طرح ان دونوں علوم میں ...... اختلافِ موضوع کے باوجود ...... بہت گہری مشابہت ومماثلت پائی جاتی ہے۔کیونکہ صحیفۂ فطرت سے جہاں ہمیں اُس کے خالق وصانع کی صنعت وخلاقی اور اُس کی کرشمہ سازیوں کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو نظامِ شریعت سے اُس کی مرضی ومنشا اور نوعِ انسانی کے لئے اُس کے تجویز کردہ ضوابط زندگی کا پتہ چلتا ہے۔اور یہ دونوں ہی اُس کی صفاتِ عالیہ کا پرتو اور اُس کی صفاتِ کمالیہ کا عکس ہیں۔

علمِ فطرت قرآن کی نظر میں:

علمِ فطرت کی اہمیت اور اس کے قابلِ استدلال ہونے کے لئے محض اتنا ہی کافی ہے کہ قرآنِ حکیم اس کو بھی ''علم'' میں شمار کرتا ہے اور اس علم کے حاملین کو ''علماء'' کے معزز خطاب سے سرفراز کرتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علم کے ذریعہ ایک طرف خُداوندِ کریم کی صنعت وخلاّقی کا حال ظاہر ہوتا ہے اور اُس کی رُبوبیت ورحمانیت کے حقائق منظرِ عام پر آتے ہیں تو دوسری طرف کائنات اور نظامِ کائنات سے متعلق ہر نیا اکتشاف دین وشریعت ہی کی ہمنوائی کرنے والا اور قرآنِ عظیم کے بیانات وتعلیمات ہی کی تصدیق وتائید کرنے والا ہوتا ہے۔ بلکہ نئے حقائق واکتشافات سے اُس کی صداقت اور اُس کا اعجاز اور زیادہ کُھل کر سامنے آجاتا ہے۔نیز اُس کے اشارات وکنایات کی حقیقت اور زیادہ نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔اس طرح قرآنِ حکیم کی سائنٹفک نقطۂ نظر سے بہتر سے بہتر تفسیر ہوتی جائے گی۔ارشادِ باری ہے: " خلق اللہ السمٰوٰت والارض بالحق ان فی ذلک لایۃ للمؤمنین " .

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حقانیت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔اس باب میں اہلِ ایمان کیلئے ایک بڑی نشانی موجود ہے۔ (عنکبوت:۴۴)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقعہ یہ ہے کہ قرآن حکیم جس طرح دینی وشرعی اُمور سے متعلق ''معلومات'' کو علم سے تعبیر کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح وہ کائنات اور مظاہرِ کائنات سے متعلق معلومات کو بھی ''علم'' ہی کا نام دیتا ہے۔ چنانچہ سورۂ انعام (آیات: ۹۵۔۹۷)۔

میں بعض ارضی وسماوی اشیاء اور اُن کے عجائب کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

" قد فصلنا الایت لقومٍ یعلمون " .

ہم نے یہ سب دلائل علم والوں کے لئے کھول کھول کر بیان کر دئے ہیں۔(انعام: ۹۷)۔

اس طرح ان مظاہر میں غور وفکر کرنے والے اور ان کے اسرار وحکمتیں معلوم کرنے پر اُبھارتے ہوئے اس راہ میں کام کرنے والوں کو ''اہلِ علم'' قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ارشادِ ربانی ہے:

'' ھوالذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ماخلق اللہ ذلک الا بالحق یفصل الایت لقومٍ یعلمون " .

وہی ہے جس نے سورج کو چمکدار اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں۔ تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرسکو۔ اللہ نے ان چیزوں کو بے فائدہ نہیں بنایا ہے۔ وہ (اپنی) نشانیوں کو جاننے والوں کیلئے تفصیل سے بیان کرتا ہے۔(یونس: ۵)۔

مکڑی اور اُس کے کمزور گھروندے کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

" وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العلمون " .

اور یہ مثالیں ہم لوگوں (کی تفہیم کے لئے) بیان کر رہے ہیں۔ مگر ان مثالوں کو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (جو ان مظاہر کا صحیح علم رکھتے ہوں)۔ (عنکبوت: ۴۳)۔

اسی طرح قُدرت ورُبوبیت کے بعض مظاہر کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

" انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا " .

اللہ سے اُس کے بندوں میں صرف علماء ہی ڈر سکتے ہیں (جو اُس کی عظمت اور اُس کے جلال کا صحیح علم رکھنے والے ہوں)۔(فاطر: ۲۸)۔

ان آیات کے ملاحظہ سے یہ بے غبار حقیقت پوری طرح واضح ہوگئی کہ جس طرح علمِ شریعت کو علم سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسی طرح نظامِ فطرت کی ساخت وپرداخت اور اُن کے اُصول وضوابط پر بھی علم ہی کا اطلاق کیا گیا ہے۔ بلکہ آخری دو آیتیں تو علمِ فطرت کی فضیلت بھی ظاہر کر رہی ہیں۔ اسی طرح صحیفۂ فطرت کا علم رکھنے والے ان ''علماء'' کو دیگر مواقع پر " قوم یعقلون " (دانش مند) اور " قوم یتقون " (ڈرنے والے) وغیرہ بھی کہا گیا ہے۔ بلکہ ایک مقام پر تو انہیں " اُولو االالباب " (پختہ عقل والوں) کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنہار لایٰت لاولی الالباب " ۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً پختہ عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں ۔ (آل عمران : ۱۹۰) ۔

لہٰذا علمِ فطرت یا سائنسی علوم کا استخفاف کرنا یا ان علوم کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کرنا صحیح نہیں ہے۔ علمِ شریعت اور علم فطرت دونوں کا علم رکھنے والے ہی ''مکمل علم'' کے حامل ہو سکتے ہیں۔ یہ علم مظاہر یا علمِ جدید (اپنے اصطلاحی معنی کے اعتبار سے) کیا ہے سوائے ''علمِ اَسماء'' کے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی تخلیق کے فوراً بعد دے دی تھی۔ اس سے اس علم کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، جس کی تعلیم علمِ شریعت پر بھی مقدم سمجھی گئی۔ بلکہ درحقیقت حضرت آدمؑ اسی علمِ فطرت کی تحصیل ہی کے باعث مسجودِ ملائکہ بنائے گئے۔ لہٰذا اتنے اہم ترین علم کی قدر و منزلت آخر کس بنیاد پر گھٹائی جا سکتی ہے؟ اس علم کو نظر انداز کرنا درحقیقت آدھے علم کو نظر انداز کرنا ہے۔ علمِ شریعت اور علمِ فطرت ہماری دو آنکھیں ہیں۔ اور اگر ہم نے کسی ایک کو بھی نظر انداز کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اپنی کتاب کی ایک آنکھ پھوڑ لی اور ایک آنکھ کے اندھے بن گئے۔

اولوالالباب کون ہیں :

مگر اس موقع پر ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی مطلوب ہے۔ وہ یہ کہ قرآنِ حکیم نے مُجرد علمِ فطرت یا محض مظاہرِ کائنات سے متعلق تفصیلی علم رکھنے والوں کی تعریف و توصیف نہیں کی ہے۔ جیسا کہ مذکورۂ بالا آیات سے بظاہر مترشح ہو رہا ہے۔ بلکہ یہاں پر دراصل وہ جامع الکمالات ہستیاں مراد ہیں جو علمِ بھیدوں سے واقف ہوں۔ یعنی کائنات مادّی کی مشنری سے بخوبی واقفیت رکھتے ہوں۔ ورنہ مجرد علمِ فطرت یا علومِ سائنس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ چنانچہ جس آیتِ کریمہ میں ''پختہ عقل والوں'' کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہی اس حقیقتِ عظمیٰ کی بھی پردہ دری کر رہی ہے کہ محض نظامِ کائنات کے علم سے آراستہ لوگ ''اُولوالالباب'' نہیں ہو سکتے۔ بلکہ فطرت و شریعت دونوں علوم کی جامع ہستیوں کو یہ خطاب دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس آیتِ کریمہ کے بعد کی آیتوں میں جو صفات مذکور ہیں وہ علمائے فطرت پر نہیں بلکہ علمائے شریعت پر صادق آتی ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلقِ السمٰوٰت ولارضِ ربنا ما خلقت ھذا باطلاً سبحنک فقنا عذاب النار " ۔

(یہ پختہ عقل والے لوگ) وہ ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے (ہر حالت میں) اللہ کو یاد کرتے اور زمین و آسمانوں کی تخلیق میں غور کرتے رہتے ہیں۔ (پھر وہ نتیجے کے طور پر پکار اُٹھتے ہیں) اے ہمارے رب! تو اس (کائنات) (کو بیکار اور بے فائدہ نہیں پیدا کیا ہے (جو حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز ہے) لہٰذا تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے (جو تیری تعلیمات کے مطابق اس نظامِ کائنات میں غور و فکر کے باعث ہم کو یقینی معلوم ہو رہا ہے)۔ (آل عمران:۱۹۱)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت کریمہ کا تقاضا ہے کہ ہمارے علماء مظاہرِ عالم اور اُن کی غرض وغایت کا سائنٹفک نقطۂ نظر سے مطالعہ کریں اور تمام جدید علوم ومسائل کا جائزہ لیتے رہیں۔ کیونکہ اس آیتِ کریمہ کے مطابق خدا سے ڈرنے والے علماء کا اصل منصب یہی ہے کہ وہ تمام علوم وفنون کا بے لاگ جائزہ لے کر نوعِ انسانی کو اپنے نتائج فکر سے آگاہ اور متنبہ کرتے رہیں۔ اسی بنا پر ایسے علماء اور ''کاملین'' کو ''پختہ عقل والے'' کہا گیا ہے۔

غرض اس کے بالمقابل ایک دوسرے مقام پر پوری وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ مظاہرِ کائنات اور ان کی مشنری میں غور وفکر کی دعوت دینے کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگ خُدا کی قُدرت اور اس کی عظمت وجلال کا اعتراف کریں اور اس سے ڈریں۔ ورنہ خُدا کی نشانیوں (یعنی نظامِ فطرت کے دلائل) سے غافل رہ کر دنیوی زندگی ہی میں منہمک ہو جانا بہت بُری بات ہے اور ایسے لوگوں کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔

" ان فی اختلاف الیل والنہار وما خلق اللہ فی السمٰوٰت والارض لایتٍ لقومٍ یتقون ان الذین لایرجون لقاء نا ورضوا بالحیوۃ الدنیا و اطمئنوا بہا والذین ھم عن ایتنا غفلون اولئک ماوھم النار بما کانوا یکسبون " ۔

دن رات کے اختلاف میں اور ان تمام مظاہر میں جن کو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کر رکھا ہے ڈرنے والوں کے لئے نشانات ودلائل موجود ہیں۔ جو لوگ ہم سے ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے اور دُنیا کی زندگی پر راضی اور اسی میں مگن ہیں اور وہ لوگ جو ہماری آیات ونشانات سے غافل ہیں تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اُن کے اعمال کی پاداش میں۔ (یونس: ٦۔٨)۔

اس اعتبار سے مجرد فطرت NATURE کا علم نہ مقصود ہے اور نہ محمود۔ بلکہ قرآن کریم دراصل ایسے ہی تمام بے خبر لوگوں کے ہمنواؤں کو جھنجوڑتے ہوئے انہیں نظامِ کائنات سے صحیح نتائج حاصل کرنے پر زور دیتا ہے۔

فطرت شریعت کی محافظ:

اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ فطرت اور شریعت دونوں ضروری اور ناگزیر ہیں اور ان دونوں کا ساتھ ساتھ چلنا ضروری ہے۔ کیونکہ فطرت درحقیقت شریعت کا ''دفاعی'' شعبہ ہے، جس کے بغیر شریعت نہ تو آزادانہ طور پر پنپ سکتی ہے اور نہ علمی ومادی میدانوں میں الحاد ودہریت کے مقابلوں کی تاب لاسکتی ہے۔ جیسا کہ موجودہ دور میں اسلامی شریعت کو درپیش نئے چیلنجوں اور نئے خطرات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی بے مثال حکمت ومنصوبہ بندی کے تحت اپنی آخری کتاب کو اس سلسلے کے تمام اُصولوں سے آراستہ کر دیا ہے تاکہ شریعت الٰہیہ مستقبل کے تمام خطرات سے پوری طرح نپٹنے کے قابل بن سکے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن حکیم فطرت وشریعت دونوں کے صالح عناصر پر مشتمل ایک بے مثال گلدستۂ حکمت ہے جو ہر دور کے خطرات اور چیلنجوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ مگر بعض کوتاہ بینوں کو قرآن میں نئے علوم ومسائل کے تذکرہ سے ایک طرح کی وحشت ہوتی ہے اور وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نئے علوم ومسائل کے نام پر ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔ گویا کہ (معاذ اللہ) خود خدائے تعالیٰ نے ان علوم ومسائل کا تذکرہ اپنے کلامِ ابدی میں کر کے کوئی اچھا کام نہیں کیا! حالانکہ کلامِ الٰہی میں اگر یہ علوم ومسائل نہ ہوتے تو یہ کلامِ خداوندی کا ایک نقص ہوتا اور اُس کے دعوائے ابدیت پر حرف آجاتا۔

ظاہر ہے کہ جدید علمی وکلامی نقطۂ نظر سے ان علوم ومسائل کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اور قرآنِ حکیم نے اس سلسلے میں ایسے ایسے قیمتی نکات کا تذکرہ کیا ہے جو علوم ومعارف کے بند اور سربمہر خزانوں کو کھولنے والے اور ذہنی گرہوں کو کھول کر کلامیاتِ جدیدہ کے میدان میں سنگہائے میل اور نشاناتِ راہ قائم کرنے والے ہیں۔ مگر کوتاہ بینوں کے لئے یہ سب بھول بھلیوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

حاصلِ بحث یہ کہ علمِ فطرت اور علمِ شریعت دونوں ہمارے لئے ضروری ہیں۔ قرآن حکیم نے ان دونوں کی تحصیل پر ہمیں اُبھارا ہے اور ان دونوں کو "علم" قرار دیتے ہوئے ہر ایک کو ضروری بتایا ہے۔ دین ودُنیا کے تمام فوائد ان دونوں کی تحصیل پر موقوف ہیں۔ اور ان دونوں کو جُدا کرنے کے باعث معاشرے میں بڑی ناہمواریاں اور بعض اوقات بڑے خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہیں، جیسا کہ ہمیں کلیسا اور سائنس کی تاریخ میں خصوصیت کے ساتھ نظر آتا ہے۔ فطرت وشریعت کے ان دونوں دھاروں کے الگ الگ بہنے کا مطلب دُوئی اور ثنویت ہے، جس کی نہ تو اسلام جیسے دائمی اور عالمگیر مذہب میں گنجائش ہے اور نہ وہ اس کی اجازت دیتا ہے۔ لہٰذا مُسلم معاشرے کی تمام بھلائیاں اور عالمِ انسانی کے امن وامان کا سارا دارومدار اس پر ہے کہ یہ دونوں دھارے الگ الگ نہیں بلکہ باہم متحد ہو کر بہنے لگیں اور ان دونوں کے اجتماع سے ایسی ذہنی وفکری قوتیں بیدار ہوں جو دین واخلاق کے تقاضوں کے مطابق نئے گُل وگلزار پیدا کر سکیں تاکہ ان کے ظہور کے باعث موجودہ تمام معاشرتی، سیاسی اور بین الاقوامی مفاسد کا خاتمہ ہو اور اولادِ آدم چین وسکون کا سانس لے سکیں۔

سائنسی علوم محض چند بدلتے ہوئے نظریات کا نام نہیں ہے:

آج کل مذہبی حلقوں میں عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ موجودہ سائنسی علوم چند بدلتے ہوئے نظریات یا "افکارِ پریشاں" کا نام ہے، جن کی بنیاد پر کتاب اللہ کی تفسیر کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ قرآنِ حکیم کی تفسیر میں اس قسم کے علوم کو داخل نہ کیا جائے، مبادا کہ آگے چل کر یہ نظریات بدل جائیں اور کتابِ الٰہی کی ابدیت پر حرف آجائے۔

یہ خیال تو بادی النظر میں بہت معقول اور وزنی معلوم ہوتا ہے مگر یہ دراصل ایک بہت بڑا مغالطہ ہے، جس کو کیا عالم اور عامی ہر ایک ...... اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کئے بغیر ...... محض قلتِ فکر کی بنا پر دُہرائے چلا جا رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس طرح وہ بذاتِ خود بہت بڑی دانش مندی کا ثبوت دے رہا ہے۔ حالانکہ یہ طرزِ فکر دراصل حقائق سے چشم پوشی اور سہل انگاری ظاہر کرتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں نظامِ کائنات سے متعلق سیکڑوں آیات موجود ہیں، جن کا بنیادی مقصد انسان، خُدا اور کائنات کے باہمی تعلقات کو واضح کرنا اور اس سلسلے میں منکرینِ حق اور خُدا بیزار لوگوں کے غلط اور بے بنیاد نظریات ومفروضات کی اصلاح کرنا ہے۔ اسی لئے جگہ جگہ مظاہرِ کائنات اور اُن کے حیرت انگیز نظاموں میں غور وفکر کر کے منکرینِ خُدا کے خلاف سائنٹفک دلائل وشواہد کا استنباط کرنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاکید کی گئی ہے۔ ان دلائل وشواہد کو قرآن کی زبان میں ''دلائلِ آفاق'' یعنی وہ دلائل جو انسان کے چاروں طرف مختلف مظاہر کے روپ میں پھیلے ہوئے ہیں، اور ''دلائل اَنفس'' یعنی وہ دلائل جو خود انسان کے اپنے جسمانی ونفسیاتی احوال سے متعلق ہیں، کا نام دیا گیا ہے۔ اور ان دلائل وشواہد سے عبرت وبصیرت حاصل نہ کرنے والوں کو بہائم اور چوپاؤں سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آفاقی وانفسی دلائل وشواہد کا یہ استنباط کس کے ذمہ ہے؟ قرآنِ حکیم کے بنیادی مقصد اور اُس کی رُوح کے مُطابق منکرینِ حق پر یہ اتمامِ حُجت کون کرے گا؟ کیا اس کا پیغام قیامت تک تمام ادوار کے لئے عام نہیں ہے؟ کیا اس کے ابدی دلائل وبراہین جدید ذہن وفکر اور ماہرینِ فن کو متاثر نہیں کرسکتے؟ نیز کیا موجودہ علوم وفنون سے مدد لئے بغیر ہم موجودہ اربابِ فن پر اتمام حجت کرسکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جب تک علوم وفنون کی گہرائیوں میں غوطہ زنی نہ کی جائے جدید ذہن ودماغ کی تسلّی کا سامان فراہم نہیں ہوسکتا اور موجودہ عقل پرست ذہن کو مطمئن کرکے اس کے قلب کو بدلا نہیں جاسکتا۔ اور جب تک یہ فکری معرکہ سر نہ کیا جائے عملی حیثیت سے کوئی صالح انقلاب برپا نہیں ہوسکتا۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم کو جدید سے جدید تر ہر قسم کے ''ہتھیاروں'' سے پوری طرح مسلّح کردیا گیا ہے۔ تاکہ اہلِ اسلام ہر دور میں حسبِ ضرورت ان سے کام لیں اور صحیح سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کریں۔ جب ہمارے ''اسلحہ خانے'' میں ہر قسم کے جدید ترین ہتھیار موجود ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ موجودہ راکٹوں اور مزائیلوں کا مقابلہ تیروں اور تلواروں سے کرنا دانش مندی سے بعید تر ہوگا۔

بنیادی سوال پھر بھی باقی رہ گیا۔ وہ یہ کہ سائنسی علوم ومسائل کی مُبینہ ''تغیر پذیری'' کا حل کیا ہے؟ تو یہ ایسا کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے۔ جس سے ہم اس قدر پریشان اور ہراساں ہوجائیں کہ محض ایک مفروضے کی بنیاد پر کتاب اللہ کی سیکڑوں آیات (جو نظامِ کائنات سے متعلق ہیں) کی تفسیر کرنا ''شجرِ ممنوعہ'' سمجھ کر چھوڑ دیں۔ اصل بات یہ ہے (جیسا کہ سائنسی علوم اور اُن کے ایجادات واکتشافات کی تاریخ شاہد ہے) کسی چیز کے متعلق انسانی علم محدود ہوتا ہے۔ پھر جیسے جیسے مشاہدات وتجربات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے، اُس کے متعدد پہلو واضح اور تفصیلی معلومات حاصل ہوتی جاتی ہیں۔ مگر پتے کی بات یہ ہے کہ نئے نئے اکتشافات کے باعث سابقہ معلومات یکسر باطل نہیں ہوجاتیں۔ (خصوصاً جب کہ وہ نظریاتی اُمور سے متعلق نہ ہوں بلکہ اُن کا تعلق تجرباتی ومشاہداتی اُمور سے ہو)۔ بلکہ ان معلومات ومسائل کے چند نئے پہلو یا نئے اجزا وعوامل اور اُن کی کارکردگیوں کا مزید علم حاصل ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر تحقیق وتجربے سے سب سے پہلے صرف چند عناصر ELEMENTS کا علم ہُوا۔ پھر مزید تجربے کے بعد چند مزید عناصر دریافت ہُوئے۔ حتیٰ کہ اُن کی تعداد ۹۶ تک جا پہنچی۔ (جو قدرتی عناصر کہلاتے ہیں)۔ شروع میں خیال تھا کہ یہ عناصر ناقابلِ تقسیم ہیں۔ مگر بعد میں مزید تجربات سے معلوم ہُوا کہ ہر ایٹم (ہائیڈروجن سے لے کر یورینیم تک تمام کے تمام) تین قسم کے اجزا سے مرکب ہیں، جن کو الکٹران، پروٹان اور نیوٹران سے موسوم کیا گیا۔

پھر معلوم ہُوا کہ پروٹان اور نیوٹران دونوں باہم مرکزہ کی شکل میں ملے ہوئے ہیں اور الکٹران ان کے گرد بڑی تیزی کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گردش کرتے ہیں۔ایٹم کے اس مرکزہ (پروٹان اور نیوٹران کے مجموعے) کے متعلق ابتداء خیال تھا کہ وہ نا قابلِ تحلیل ہے۔مگر مختلف ترکیبوں کو آزمانے کے بعد عمل فزون FISSION (ایٹم کے مرکزے کو توڑنے کا ایک بہت ہی پیچیدہ عمل) کے ذریعہ جب اس کو توڑا گیا تو اس سے ایک ایسی ہیبتناک اور دیو پیکر توانائی خارج ہوئی جو آج جوہری قوت یا ایٹمی توانائی کے نام سے مشہور ہے۔ایٹم بم ایٹم کے مرکزے میں چھپی ہوئی اسی دل ہلا دینے والی قوت کو مجتمع کرنے کا نام ہے۔

اب یہاں پر قابلِ غور بات یہ ہے کہ نئے نئے عناصر کی دریافت کے بعد سابق میں دریافت شدہ عناصر کا وجود باطل نہیں ہو گیا۔ جس طرح کہ خود ایٹم کے اندرونی اجزا کی دریافت سے ان عناصر کے وجود پر کوئی حرف نہیں آسکا۔ پھر اسی طرح الکٹران، پروٹان اور نیوٹران کی کارکردگیوں اور ان کی تفصیلات کے منکشف ہونے کے باعث سابقہ معلومات وتفصیلات کسی بھی طرح باطل نہیں ہوگئیں۔ بلکہ صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ پہلے ان عناصر سے متعلق انسانی علم اجمالی اور مختصر تھا مگر بعد کی تحقیقات وتجربات کی وجہ سے وہ مفصل اور وسیع ہو گیا۔اسی پر دوسرے تمام تجرباتی علوم کو بھی قیاس کر لیجئے۔

اس سے یہ کلّیہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ علمِ انسانی یا علوم سائنس کی وہ بنیادی معلومات کبھی نہیں بدلتیں جو تجربے ومشاہدے میں ایک بار پوری طرح ثابت ہو جائیں اور بار بار کے تجربوں سے ہمیشہ اُن سے یکساں نتائج برآمد ہوں۔مثلاً ہائیڈروجن کے دو ایٹموں اور آکسیجن کے ایک ایٹم کو کیمیاوی طور پر ملانے سے پانی کا ایک سالمہ وجود میں آتا ہے اور پانی کے سالمے MOLECULE کی کیمیاوی تحلیل سے پھر وہی مفرد عناصر برآمد ہوتے ہیں۔ یہ ایک قانونِ قدرت (لا آف نیچر) یا قانونِ رُبوبیت ہے جو آج بھی صحیح ہے اور آئندہ بھی ہر دور میں صحیح رہے گا۔یہی حال دیگر تمام قوانینِ قُدرت یا ربانی ضوابط کا ہے۔

" وخلق کل شیءٍ فقدرهٗ تقدیراً " .

اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اُس کا ایک (طبیعی) ضابطہ مقرر کر دیا۔(فرقان:٢)۔

ایک سادہ سی مثال لیجئے۔ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ آگ جلاتی ہے اور پانی آگ بجھاتا ہے۔

یہ وہ حقیقت ہے جس میں ایک لمحے کے لئے بھی ہمیں شک نہیں ہوتا۔اسی قسم کے حقائق کو قوانینِ قُدرت کہا جاتا ہے۔اور اس قسم کے قوانین کا دائرہ بہت وسیع ہے، جیسا کہ پیہم تجربات ومشاہدات سے ثابت ہوتا ہے۔مثلاً حیوانی زندگی کا انحصار آکسیجن پر ہے۔کوئی جاندار پانی کے بغیر زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہ سکتا۔تمام جاندار ایک حیاتیاتی مادّے (پروٹو پلازم) سے مرکّب ہیں۔ پروٹو پلازم کا تقریباً آکسیجن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، کاربن، کیلشیم، فاسفورس، کلورین، سلفر، پوٹاشیم، سوڈیم، میگنیشیم وغیرہ وغیرہ۔غرض یہ پوری کائنات نہایت درجہ منضبط قوانین کے مجموعے کا نام ہے اور یہاں پر انتشار، بدنظمی اور لاقانونیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

" هل ترى من فطور ؟ " (کیا تم کو کوئی شگاف نظر آرہا ہے؟) ۔

اور دوسری حیثیت سے سائنس اور ٹکنالوجی کے وہ ثمرات جن سے آج ہم پوری طرح متمتع اور لُطف اندوز ہو رہے ہیں۔مثلاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجلی کے قمقمے، ریڈیو، ٹی وی، ٹیلکس، ٹیلی پرنٹر، رفریجیٹر، ٹیلی فون، ریل، ہوائی جہاز اور کمپیوٹر وغیرہ وغیرہ وہ سب کے سب اسی سائنس کے کارنامے ہیں جس کو ہم "بدلتے نظریات" کا مجموعہ قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ اور اس قسم کی دیگر اشیاء کے نتائج ہمیشہ یکساں ہوتے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں عملی PRACTICAL سائنس سے تعلق رکھتی ہیں اُن میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی، بلکہ نتائج ہمیشہ ایک جیسے رہتے ہیں۔ لہٰذا بعض نظریات و مفروضات کو بنیاد بنا کر پوری سائنس اور تمام سائنسی علوم کو نا قابلِ اعتبار قرار دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔

سائنسی نظریات میں ردّ و بدل یا تبدیلی جو کچھ بھی ہوتی ہے وہ ان ثابت شدہ طبیعی قوانین یا تجرباتی سائنس میں نہیں بلکہ اُن مفروضات میں ہوتی ہے جو یا تو ابھی زیرِ مشاہدہ ہوں یا جن میں کسی رکاوٹ کے باعث سرے سے کوئی تجربہ و مشاہدہ ہی ممکن نہ ہو۔ اصل میں کوئی بھی سائنس داں اور کوئی بھی عالمِ طبیعیات مختلف اشیائے عالم میں ربط و تعلق اور توجیہہ و تاویل کے لحاظ سے بعض نظریات و مفروضات قائم کرنے پر مجبور ہوتا ہے، خواہ اُن کے متعلق اُسے تفصیلی علم حاصل ہو یا نہ ہو۔ اور دنیائے سائنس میں تغیر و تبدل جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ عموماً اسی قسم کے نظریات و مفروضات میں ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں مختلف علوم و فنون کے حقائق یا فکری نتائج ...... جو اصل مغز اور جوہر کی حیثیت رکھتے ہیں ...... بالکل معجزانہ انداز میں مذکور ہیں۔ جو موجودہ دور کی عقلیت کے مطابق ذہن سازی کے لئے مثبت اور بنیادی رول ادا کر سکتے ہیں۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لئے لازمی طور پر جدید سے جدید متعلقہ علوم کی جزئیات کو بھی زیرِ بحث لانا پڑے گا، جس کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ مثلاً قرآن میں مذکور ہے کہ نباتات میں بھی قانونِ زوجیت پایا جاتا ہے۔ یعنی حیوانات کی طرح پیڑ پودوں میں بھی نر و مادہ پائے جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو علیٰ وجہ البصیرت سمجھنے اور متعلقہ مسائل کی تنقیح کے لئے حیاتیات (بیالوجی) کے بہت سے مباحث بھی چھیڑنے پڑتے ہیں۔ اب ممکن ہے کہ بعض جزئیات میں ...... جو نظری حیثیت رکھتے ہوں ...... آئندہ چل کر کوئی تبدیلی واقع ہو جائے۔ مگر یہ حقیقت کہ تمام نباتات زوج زوج ہوتے ہیں اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ یہی حال دیگر تمام حقائق و معارف کا بھی ہے۔ اب یہ کتنی بڑی نادانی ہوگی کہ ہم ایک موسوم سے خدشے کی بنا پر اس قسم کی آیات کی سائنٹفک نقطۂ نظر سے تفسیر کرنا ہی چھوڑ دیں۔ گویا کہ قرآنِ مجید کے پانچویں حصے کو مہمل قرار دے دیں۔ العیاذ باللہ!

غرض انہی تمام مسائل و مباحث کے جاننے کا نام "علم اسماء" ہے اور اس کی تحصیل علمائے اسلام کے لئے فرضِ کفایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ علماء کی ایک جماعت ہمیشہ اور ہر دور میں بلکہ ہر ملک و قوم میں اس فرضِ کفایہ کی ادائیگی کے لئے تیار رہنی چاہئے۔ ورنہ وہ عند اللہ قابلِ مواخذہ ہوں گے اور اُن کا کوئی بھی عذر قیامت کے دن مسموع نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے کے تمام اُمور اور تمام مسائل کو کھول کھول کر اپنے آخری اور ابدی صحیفے میں بیان کر دئے ہیں۔

ہمارے علماء کا فرض ہے کہ وہ ان علوم کی تحصیل کر کے قرآنی منشا و مقصد کے مطابق عالمِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کا سامان فراہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریں۔قرآن حکیم میں ان علوم ومسائل کا تذکرہ بھی دراصل قرآن عظیم کی وسیع ہدایت ورہنمائی ہی کی ایک حصّے کے طور پر ہے۔جیسا کہ عرض کیا جا چکا ان علوم سے خُدا پرستی کے اثبات کے لئے سائنٹفک دلائل وشواہد فراہم کرنا مقصود ہے۔یعنی مادہ پرست اور خُدا بیزار لوگ نظامِ کائنات سے متعلق جن حقائق اور واضح نتائج سے آنکھیں بند کرکے گزر جاتے ہیں یا تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے جن منطقی دلائل کا سامنا کرنے سے جی چراتے ہیں ایسے تمام مواقع پر انہیں متنبہ کرتے ہوئے متعلقہ شواہد کی نشاندہی کرنا اور منکرینِ حق کی علمی کمزوریوں کو واضح کرنا۔یہ بھی ''معروف منکر'' کے مقتضاء کے عین مطابق ہے۔چنانچہ " یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر " (وہ معروف کا حکم کرتے اور منکر سے روکتے ہیں) کے وسیع مفہوم میں یہ شق بھی داخل سمجھی جائے گی۔

غرض قرآنِ حکیم میں ان علوم کا تذکرہ بھی دراصل اس کی ابدی اور عالمگیر رہنمائی ہی کا ایک حصہ ہے اس سے الگ نہیں۔ظاہر بینوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ قرآنِ حکیم کو بھلا انسانی علوم سے کیا واسطہ! وہ سمجھتے ہیں کہ سائنسی علوم نظامِ شریعت کے مغائر ہیں۔حالانکہ یہ سائنسی علوم جو بادی النظر میں انسانی علوم معلوم ہوتے ہیں دراصل محض انسانی علوم نہیں ہیں، بلکہ نظامِ کائنات اور نظامِ رُبوبیت کی توضیح و تفصیل کرنے والے ہیں۔کائنات میں جتنی بھی اشیاء ہیں سب کی سب خداوند کریم ہی کی پیدا کردہ ہیں۔اور انسانی علوم کی بنیاد بھی یہی مخلوقاتِ الٰہی ہیں۔لہٰذا ان علوم کی تحقیق وتفتیش سے مخلوقاتِ الٰہی کا تفصیلی علم حاصل ہوتا ہے جو نظامِ رُبوبیت کو سمجھنے کی بنیاد ہے۔اور جب تک انسان نظامِ رُبوبیت کو صحیح طور پر سمجھ نہ لے وہ ''رب العٰلمین'' (تمام جہانوں کے رب اور پروردگار) کی صحیح معرفت بھی حاصل نہیں کرسکتا جو کہ اصل مقصود ہے۔

یہ ایک بعید از قیاس بات ہوگی اگر ہم یوں تصور کرلیں کہ مظاہرِ کائنات اور اُن کے نظامات کسی بھی درجہ میں نظامتِ شریعت کے مخالف واقع ہوئے ہیں یا ہوسکتے ہیں۔ظاہر ہے کہ نصوصِ قرآنی کے مطابق مظاہرِ کائنات کے تمام ضوابط بنانے والا خالق عالم جل شانہ ہی ہے۔اُسی نے ایک ایٹم سے لے کر ایک نظامِ شمسی تک تمام مظاہر کی تخلیق کی اور ان کے طبیعی ضوابط مقرر کئے۔اور اسی علیم وخبیر اور ہمہ داں وہمہ بیں ہستی نے نوعِ انسانی کی ہدایت ورہنمائی کے لئے اپنا کلام بھی نازل فرمایا۔لہٰذا ان دونوں میں تعارض وتضاد کس طرح ہوسکتا ہے!

امام ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) نے قرآن حکیم کے تمام مضامین ومندرجات کو بنیادی طور پر پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔جن میں سے ایک " التذکیر بآلاء اللہ " بھی ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو مظاہرِ کائنات یا مخلوقاتِ الٰہی (حیوانات ونباتات اور جمادات وافلاک) کی شکل میں صفحۂ ارض اور سارے دنیا میں بکھری ہوئی ہیں، اُن کے ذریعہ یاد دہانی اور سبق آموزی۔اس تصریح کے مطابق غور فرمائیے یہ موضوع قرآنِ حکیم کا ایک مستقل موضوع اور اس کے علوم ومعارف کا پانچواں ایک حصہ ہے۔کیا ہم اتنے بڑے حصّے کو نظر انداز کرسکتے ہیں!

حاصل یہ کہ نظامِ کائنات اور نظامِ رُبوبیت سے متعلق ہر نیا انکشاف قرآنِ حکیم کی ابدی صداقتوں کو اُجاگر کرنے والا اور اُس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لافانی نقوش واسرار کو بے نقاب کرنے والا ہوگا، جب کہ ہم لغت، نحواور تمام صحیح تفسیری اُصولوں سے کام لے کر آیاتِ الٰہی کی صحیح تفسیر کریں۔اس طرح تمام صحیح اُصولوں کو کام میں لاکر جب پوری ذمہ داری کے ساتھ اُس کی تفسیر کی جائے گی تو پھر اُس کے غلط ہو جانے یا کتاب اللہ پر حرف آجانے کا کوئی خدشہ باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ یہ کوشش محمود مستحسن ہوگی اور عنداللہ قابلِ اجر بھی۔آج بہت سے تشنگانِ علم اس قسم کی صحیح تفسیروں کا تقاضہ ومطالبہ کرر ہے ہیں۔یہ وقت کی بہت بڑی ضرورت اور ایک بہت بڑا خلا ہے جس کو پورا کرنا عصرِ حاضر کا ایک کارنامہ ہوگا۔

" الر کتب أُحکمت ایٰته‘ ثم فُصلت من لدن حکیمٍ خبیر o " .

الف ، لام ، را ۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں (علمی اعتبار سے مستحکم کی گئی ہیں۔ پھر اُن کی تفصیل ایک حکیم اور باخبر ہستی کی جانب سے کی گئی ہے۔(ھود:۱)۔

" خلق الله السمٰوٰتِ والارض بالحق ان فی ذٰلک لاٰیۃً للمؤ منین o " .

اللہ نے زمین اور آسمانوں کو حکمت ومطابقت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔اس باب میں اہلِ ایمان کے لئے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ (عنکبوت:۴۴)۔

" ونزلنا علیک الکتب تبیاناً لکل شی ءٍ وھدیً ورحمۃً وبُشریٰ للمسلمین o " .

(اے محمدؐ) ہم نے آپ پر وہ کتاب اُتاردی ہے جو ہر چیز کو خوب وضاحت کرنے والی ہے۔اور وہ (ان ابدی حقائق کی بدولت) فرمانبرداروں کے لئے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔(نحل:۸۹)۔

" وما من غائبۃٍ فی السماءِ والارض الا فی کتٰبٍ مبینٍ o " .

اورارض وسما کا کوئی راز (سربستہ) ایسا نہیں ہے جو (اس) کتاب روشن میں موجود نہ ہو۔(نحل:۷۵)۔

" لقد انزلنا الیکم کتباً فیه ذکر کم افلا تعقلو ن o " .

ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمہارا تذکرہ (داستان) موجود ہے۔(انبیاء:۱۰)۔

" افغیر الله ابتغی حکماً وھو الذی انزل الیکم الکتب مفصلاً o " .

تو کیا میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو حَکَم مان لوں؟ حالانکہ اُسی نے اس کتاب کو تمہارے پاس تفصیل کے ساتھ بھیج دیا ہے۔ (انعام:۱۱۴)۔

" تبرک الذی نزل الفرقان علی عبدهٖ لیکون للعلمین نذیراً o " .

بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر فرقان (فیصلہ کن کتاب) نازل کی تاکہ وہ سارے جہان کو متنبہ کرسکے۔ (فرقان:۱)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" قد جاء کم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیہا ٥ " .

(لوگو) تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے روشن دلیلیں آچکی ہیں۔ پس اب جس نے بصارت (کھلی آنکھوں) سے کام لیا وہ فائدہ میں رہا اور جو (جان بوجھ کر) اندھا بنا وہ زیاں کار ہوا۔ (انعام:۱۰۵)۔

" سنریھم ایتنا فی الافاق وفی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علیٰ کل شیءٍ شھید ٥ " .

ہم عن قریب ان (منکرین حق) کو اپنے نشانات ودلائل دکھادیں گے، ان کے گردونواح میں بھی اور خود ان کی اپنی ہستیوں میں بھی، تا آنکہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہ (کلام) برحق ہے۔ کیا یہ بات ان (کی تسلی وتشفی) کے لئے کافی نہیں ہے کہ تیرا رب (اس عالمِ آب وگِل کی) ہر چیز سے واقف ہے؟ (حٰم سجدہ:۵۳)۔

اس قسم کی اگر تمام آیات کو اکٹھا کیا جائے تو فکر ونظر کے بہت سے گوشے اُجاگر ہو جاتے ہیں اور ہر شبہ کا کافی وشافی جواب مل جاتا ہے۔ اسی بناء پر فرمایا گیا۔ (وہی ہے جس نے تمہارے پاس اس کتاب کو تفصیل کے ساتھ بھیج دیا ہے۔ (انعام:۱۱۴)۔

(جاری ہے......)

آئندہ فقہی اجتماعات کا لائحہ عمل

قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ عصر حاضر میں جدید مشکل مسائل کے حل وتحقیق کے لئے آئندہ فقہی اجتماعات وکانفرنسوں کے انعقاد، موضوعات اور عنوانات اور اپنی علمی تحقیقی آراء وتجاویز سے خط کے ذریعے مجلس التحقیق الفقھی جامعۃ المرکز الاسلامی کو مطلع فرمادیں۔

رابطہ: دفتر مجلس التحقیق الفقھی جامعۃ المرکز الاسلامی پاکستان بنوں

فون نمبر: 0928-331351 فیکس نمبر: 0928-331355

ای میل: almubahisulislamia@yahoo.com

......☆☆☆☆☆......

© rasailojaraid.com